203

افسانہ
171

2112
2308

MUNICIPAL LIBRARY
Narkana
Sahib.

مکتبہ جدید، لاہور

زخم و مرہم

از

شعلہ وارثی لکھنوی

۱۹۳۶ء

MUNICIPAL LIBRARY
Nankana
Sahib.

MC LIBRARY Nankana Sahib
Acc. NO: 00342NS
Date: 06-4-2022
Managed by Chughtai Public Library

باراوّل ۱۹۴۶ء

891-4393
W295Z

قیمت دو روپیہ (عہ)

پبلشر

اُردو پبلشنگ ہاؤس

الہ آباد

فہرست مضامین

(۱)

تعارف

حافظ احمد علی صاحب شعلؔہ وارثی لکھنؤ کے ایک معزز اور متوسط الحال مغل خاندان میں پیدا ہوئے جن کے آباء و اجداد شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں معزز عہدوں پر مامور رہے تھے۔ ملکۂ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کے دورِ حکومت میں صرف آپ کے نانا منشی محمد تیغ بہادر صاحب مرحوم اور اُن کے برادر خورد حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مترجم قرآن شریف البیان اور مؤلف خلاصۃ التفاسیر زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچ رہے تھے۔ آپ کی نانی محترمہ افغانی النسل نفیس اور نہایت قابل طبیبہ جنھوں نے سیکڑوں لاعلاج مریضوں کا علاج کر کے شفاء الملک حکیم عبد العزیز صاحب مرحوم ایسے حاذق حکیموں سے بارہا خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔

شعلؔہ صاحب کے دادا مرحوم مرزا غضنفر بیگ مرحوم کوتوال ٹونڈلہ اور رئیس مرشدآباد تھے۔ آپ کے والد معظم کا نام مرزا تراب علی بیگ عرف حاجی پیارے صاحب وارثی ہے جو بحمد اللہ حیات ہیں۔ اور سیدنا حضرت حاجی حافظ وارث علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سے سلسلۂ بیعت رکھتے ہیں۔

حضرت شعلؔہ کی تعلیم لکھنؤ کی مشہور مشرقی درسگاہ "مدرسہ عالیہ فرقانیہ" میں ہوئی جہاں آپ نے قرآن شریف حفظ کیا اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم اور عربی کے تین سال کا کورس پورا کرنے کے بعد "بروایت حفص اور بروایت سبعہ" قرأت کی بھی تکمیل کی

۱۹۲۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ جہاں تقریباً دو سال عربی کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد آپ کے خیالات میں بوجوہ تبدیلی پیدا ہو گئی۔ ۱۹۲۳ء میں ندوہ کالج چھوڑ کر انگریزی میں ہائی اسکول کا امتحان دینے کے لئے تیاری شروع کی لیکن ۱۹۲۴ء میں امتحان میں بیٹھنے سے پہلے آپ ایک ایسے روح فرسا واقعہ سے متاثر ہوئے جس نے آپ کی زندگی کو ہمیشہ کے لئے رنگین بنا دیا۔ اس کا اندازہ صرف آپکے اس ایک شعر سے کیا جا سکتا ہے جس کے اندر ایک دنیائے غم مضمر ہے ؎

گلشنِ ہستی میں ہوں میں وہ نہالِ نامراد
فصلِ گل آنے نہ پائی خشک کلیاں ہو گئیں (شعلہ)

شعر و سخن، مصوری، نقاشی اور خوشنویسی کا ذوق آپ کو بچپن ہی سے تھا اور ادب سے طبیعت کو ایک خاص قسم کی مناسبت تھی۔ لہٰذا افکار و آلام اور رنج و غم کی تصویر بنے اور سلسلۂ تعلیم منقطع ہونے کے بعد یہی فنون لطیفہ آپ کی دلبستگی کا سامان بنے اور کچھ عرصے کے بعد ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی ہوئے مطالعہ کا ذوق جنون کی حد تک تھا جس کی وجہ سے ہمیشہ والدین کی لعنت و ملامت کا شکار اور برہمی کا نشانہ بننا پڑا۔ لیکن مطالعہ سے کبھی باز نہ آئے۔ اور پوری پوری سیکڑوں راتیں ادبی، تاریخی اور فلسفہ کی کتابوں کی ورق گردانی میں گزار دیں۔ اور اب بھی مطالعہ کا یہی حال ہے۔

۱۹۲۸ء میں اتفاق سے غالب کا یہ خط جو انھوں نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کو کسی دفعہ لکھا تھا کہ:-

شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ فردوسی بن جائے۔ اور فقیر کی انتہا یہ ہے کہ وہ

حسن بصری ہو جائے۔ اور "عاشق" کی شان یہ ہے کہ آپ سے مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو"
جب نظر سے گزرا تو انھوں نے محسوس کیا کہ وہ شاعری میں کوئی نمایاں خصوصیت نہیں حاصل کر سکتے۔ لہذا دنیائے شاعری سے بے نیاز ہو گئے۔ اور اظہارِ جذبات و تخیلات کے لئے صرف نثر ہی کے میدان کو بہتر سمجھا۔ شاید ہی ہندوستان کے مؤقر رسائل و اخبارات میں کوئی رسالہ ایسا باقی بچا ہو جو آپ کے علمی۔ ادبی۔ تاریخی اور فلمی مقالوں یا تنقیدوں سے محروم رہا ہو۔ متعدد اخبارات و رسائل کے اداروں میں معاون کی حیثیت سے کام بھی کیا ہے اور رسالہ شبستان لکھنؤ کے اڈیٹر بھی رہے ہیں۔

۳۲۔۳۳۔۱۹۳۴ء میں فلم انڈسٹری کے متعلق فلمی رسائل و اخبارات میں مختلف ناموں سے بھی کثیر مضامین لکھے اور کئی فلمی افسانے بھی فلم کمپنیوں کے لئے تحریر کئے۔ اسکرین پر بھی آنے کے لئے آپ کو زرّیں مواقع حاصل ہوئے۔ لیکن مستقل طور پر فلمی دنیا سے وابستہ ہونا کبھی پسند نہیں کیا۔

۱۹۴۳ء سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے اور باوجود انتہائی مصروفیت کے ذوقِ مطالعہ اور ذوقِ ادب میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ لیکن دماغ کو سکون اور اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے زبان قلم پر مہرِ خاموشی لگ گئی۔ اُمید ہے کہ اب یہ خاموشی کا دور بہت جلد ختم ہو جائے۔ اور شعلہ صاحب کا گریز فلم ہندوستان کے مؤقر رسائل کے

صفحات پر پھر گلکاریاں کرتے دکھائی دے جو کبھی کبھی شوخ نگاری کے بجائے شعلے بھی برسانے لگتا ہے۔

سیّد محمد ہاشم

ا

انتساب

میں اِس ناچیز مجموعۂ مضامین کو اپنے معزّز دوست مسٹر نذیر احمد صاحب (ایڈوکیٹ) میونسپل کمشنر لکھنؤ کے اُس خلوص اور محبّت کے نام پر معنون کرتا ہوں جسے اُن کے اخلاق حمیدہ نے عرصہ سے میرے قلب میں راسخ کردیا ہے۔

ننگ آفرینش
شعلہ وارثی۔
۱۱۴- راجہ بازار لکھنؤ
یکم جنوری سنہ ۴۶ء

گفتارِ اوّلین

(انشا: حضرت مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

"ادیب جمیل" حضرت شعلہ وارثی نے اپنے رنگین و دلچسپ نتیجہ خیز و سبق آموز افسانوں کا لطیف مجموعہ برائے تبصرہ عنایت فرمایا ہے۔ اور مصر ہیں کہ جلد از جلد اپنے تاثرات قلم بند کر کے اُن کے حوالے کر دوں۔ موصوف نے اس مد میں نہ کوئی عذر سُنا۔ نہ معذرت قبول کی۔ یہ اُن کی طبعی خصلت و عادت ہے کہ وہ جس وقت خود کسی کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں یا کسی سے کام لینے کے لئے تو پھر وہ کسی کا عذر نہیں سُنتے۔ حیران ہوں کہ اس ادبی فرمائش کی تعمیل کیسے ہو؟ تبصرہ سکونِ خاطر و لمحاتِ فراغت کا متقاضی۔ اور سوئے اتفاق سے یہاں اس نعمت کا فقدان کامل! طرفہ تر یہ کہ عدمِ تعمیل کی جرأت نہیں۔ ورنہ حضرت شعلہ وارثی کی شرر افشانیاں۔ پناہ بخدا! چار و ناچار کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی ہوگا۔

مصنف کی شخصیت

حضرت شعلہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ اُن کے حُسن کارِ قلم نے علمی و ادبی اور تاریخی، مضامین۔ اخلاقی۔ اصلاحی۔ معاشرتی افسانے اور ڈرامے پیش

کرتے ہوئے دنیائے ادب میں کافی شہرت و گنجائش حاصل کر لی ہے۔ اُردو ادب کا ذوق رکھنے والے کم شائقین ہوں گے جو اُن کے ادب پاروں کے مطالعہ سے لذت اندوز نہ ہو سکے ہوں اور شاید ہی کوئی مؤقر جریدہ ایسا ہے جو اپنے دامن کو اُن کے لطیف و رنگین نقش و نگار سے باغ و بہار بنانے کی مسرت سے محروم رہ گیا ہو۔ وہ بھی اس واسطے کہ عہد حاضرہ میں تھوڑے عرصہ سے اُن کی توجہ تجارت کی جانب مائل ہو گئی ہے۔ اور بحمد اللہ اِس شعبہ میں بھی وہ اُسی طرح کامیاب ہیں جیسے ادبی سلسلے میں کامیاب تھے۔

افسانہ مجھے فن افسانہ سے بالتصریح بحث منظور نہیں مگر ہلکی سی روشنی ڈالے بغیر گزر جانا بھی ناگزیر ہے۔ فن افسانہ نویسی کی تاریخ قدیم اور اتنی پُرانی ہے کہ اِس کا کوئی وقت تعیّن نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس ظاہر کرتا ہے کہ یہ فنِ لطیف تخلیق آدم کے ساتھ کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر نمودار ہوا۔ اتنا ضرور ہے کہ ہر دور میں اُس کے اسالیب بیان مختلف رہے ہیں اور ایسا ہونا غیر معمولی نہیں۔ طبائع انسانی پر ماحول اور آب و ہوا کا اثر کافی طور سے پڑتا ہے۔ جستجو کرنے والوں نے ہزاروں برس پہلے کے افسانے دریافت کیے ہیں اور اُن سے زمانہ قبل از تاریخ کی خصوصیات۔ معاشرت۔ رسم و رواج۔ عادات و اطوار کے متعلق خیالات و نظریئے قائم کیے گئے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسی تصنیفوں کا نمونہ نہیں جو مذہبی نقطۂ نگاہ سے پاک اور واجب الاحترام ہونے کے

باوجود افسانہ ہی افسانہ ہیں۔ چاہے منظوم ہوں یا منثور۔ خود قلمِ قدرت
بھی افسانہ نویسی سے دامن نہ بچا سکا اور کلامِ الٰہی میں بھی کچھ افسانے
منضبط کر گیا جو جہانِ اسلام کی ایمان افروزی کا موجب بنے ہوئے
ہیں اور اہلِ قدر نجاتِ اُخروی جان کر اُن کی تلاوت کرتے رہتے
ہیں ——

عہدِ حاضر کے افسانے

موجودہ طرز کے افسانے مغربی مفکرین کی دماغی
کد و کاوش کے رہینِ منت ہیں جو یورپ کے
ذریعہ ہندوستان پہنچے اور ادب پرور طلبہ کی قلمکاریوں کا وسیلہ لے کر
عمومیت حاصل کی۔ حتیٰ کہ اہل و نااہل ادبی خدمت کی دھن میں گرفتار
ہو کر افسانہ نویس بن گیا۔ اس افراط و تفریط کا انجام بہتر ہونے کے بدلے
ارتقائی منزلوں سے پھسل کر پستی میں جا گرا اور اردو کی عمومی افسانہ نویسی
بدنام ہو کر رہ گئی۔ اس کی اخلاقی خوبیاں بد مذاقی کا شکار ہو گئیں۔
بلند کرداروں کی جگہ بوالہوسی کا قبضہ ہو گیا۔ نیز سوقیانہ تخیل۔ بازاری
محبت اور پست معاشرت عام ہو گئی۔ اب بے گنتی افسانہ نویسوں کا جائزہ
لیا جائے تو اچھے لکھنے والے چند سے زیادہ دستیاب نہ ہو سکیں گے۔

قدیم وجدید افسانوں کا فرق

پرانے مصنفین کی تصنیفات میں
پند و اخلاق پر زیادہ سے زیادہ دھیان
رکھنے کا دستور عام تھا۔ اُن کے کرداروں میں اکثر و بیشتر جن، بھوت،
دیو، پری، چرند و پرند، منتخب ہوا کرتے تھے۔ وہ اسی مخلوق کی زبانی

اصلاحِ معاشرت و تمدن۔ نیز اخلاقی نکات پر نہایت ہی سود مند بحثیں کیا کرتے تھے۔ اور اہم ترین مسئلوں کو بڑی آسانی سے حل کر جاتے تھے۔ لیکن اسلامی بادشاہی کی بساط اُلٹتے ہی اور مغربی تعلیم کے رواج پاتے ہی ہندوستانی تمدن میں شدید انقلابی لہریں دوڑ گئیں۔ قدیم رسم و رواج فرسودہ و ناکارہ متصور ہوتے ہوئے ترک کر دئے گئے۔ پرانی تہذیب۔ پرانے اُصول۔ پرانے خیالات۔ نئی تہذیب، نئے اصول نئے خیالات سے تبدیل ہو گئے۔ اور زندگی کا کوئی شعبہ انقلاب کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اسی افراتفری میں تصنیفات و تالیفات کے اسلوب نے بھی چولا بدل ڈالا۔ ابتدا ناولوں سے ہوئی جس میں انسانی تمدنی۔ انسانی تہذیب کے چند واقعات اور یا نہ انداز میں داخل ہونے لگے۔ رفیع الخیال مصنفین نے اشہبِ کلک کی جولانیوں کے واسطے جُدا جُدا میدان اختیار کئے۔ کسی نے تاریخ کو موضوعِ بیان قرار دیا۔ کسی نے خانگی معاملات پر زورِ خامہ صرف کیا۔ شائقین اِس بدلیسی تحفے پر ایسا ریجھے کہ پھر قدیمی تصنیفات کی جانب مائل نہ ہوئے اور رفتہ رفتہ پرانی تمام کتابیں طاقِ نسیاں کی زیب و زینت بنتی چلی گئیں۔ ابھی ناول نویسی کا فن پروان ہی چڑھ رہا تھا کہ افسانوں کی صنعت معرضِ وجود میں آئی چونکہ مصروف طبقے کے اصحاب کو کاروباری مشاغل سے اتنی فرصت نہ ہوتی تھی۔ کہ طول و طویل مطالعہ میں وقت گذار سکتے۔ لہٰذا انھوں نے کمال ذوق و شوق سے لبیک کا نعرہ لگاتے ہوئے مختصر افسانوں کو نوازنا شروع کیا۔ عوام الناس کی ضیافتِ طبع کو

ملحوظ رکھتے ہوئے رسائل وجرائد نے بھی اُن کی پزیرائی کو آغوش کشادہ کر دی اور رطب و یابس یکساں طور پر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ صنف ادب کہیں سے کہیں جا پہنچی مگر یہ واقعہ ہے کہ فنی اعتبار سے مصنفین کی تعداد دال میں نمک کی سی ہی رہی۔

زخم و مرہم سے مراد کسی "دواخانے" یا "ڈاکٹر" سے نہیں۔ جو طبّی یا جرّاحی اُصول کے مطابق مجروحین کے علاج و معالجے کا کام دیتے ہیں بلکہ "زخم و مرہم" نام ہے اُس مجموعہ کا جو "ادیب جمیل" حضرت شعلہ وارثی کے گلہٗ قلم کا منّت پذیر ہے اور عنقریب پریس میں جانے والا ہے تاکہ لباس طباعت سے بن سنور کر ادبی دنیا میں ایک جدید دلچسپی کا اضافہ کر دے اور اُن افراد ادب پسند کی مُراد بر آئے جو سالہا سال سے انتظار کی سخت و صعب ساعتیں کاٹتے ہوئے چشم براہ ہیں۔

افسانوں کی تعداد "زخم و مرہم" میں کل سات افسانے ہیں اور ایک تخئیلی مضمون ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ مضمون اور افسانے مُوقر رسائل وجرائد کی تزئین کا باعث بن چکے ہیں۔ ان کے اشاعت پذیر ہوتے ہی۔ ادبی دنیا ایک ایسے ہونہار ادیب سے روشناس ہوئی جو آغاز ہی میں بلند و برتر انجام کی نوید لے کر لٹریری برادری میں شامل ہوا تھا۔ اور ابتدائی کوششوں کی پختہ کاریوں ہی سے سبھی کی نگاہیں کھینچنا جاری کر دی تھیں۔

تصویر سے "زخم و مرہم" کا آغاز ایک دلچسپ تخئیلی مضمون

"تصویر" ہوتا ہے۔ یہ موضوع شعلہ صاحب کی تخلیق نہیں۔ اُن سے قبل بھی ارباب ادب اس میدان میں اشہبِ کلک کی قابل صد ستائش جولانیاں دکھا چکے ہیں لیکن نثر میں بہت کم۔ اور نظم میں زیادہ۔ بظاہر اس پامال موضوع پر قلم اٹھانا اور نئے راستے تلاش کرنا سہل نہ تھا۔ مگر شعلہ صاحب کی طبیعت داری نے اس تنگ فضا میں بھی گنجائش پیدا کرتے ہوئے کامیاب سعی کی اور حقیقی جذبات و پاکیزہ تخئیل کے امتزاج سے کچھ ایسی دل آویزیاں پیدا کر دیں کہ مضمون ختم کئے بغیر کتاب گردانے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ مضمون حقیقی معنی میں ادبی کائنات کہا جا سکتا ہے۔

"ادیب جمیل" کی افسانہ نویسی

افسانہ نویسی کا رواج یوماً فیوماً ترقی پذیر ہے اور تقریباً چالیس فیصدی بلکہ اس سے بھی کسی قدر زیادہ افسانہ نویس جہانِ اردو میں اپنی ذہنی و دماغی کاوشوں کی ڈگی پیٹ رہے ہیں۔ اور عالم یہ ہے کہ اردو ادب بلندی حاصل کرنے کے عوض روز بروز تنزلی ہی کرتا جاتا ہے۔ بے شمار لکھنے والوں میں تھوڑے ہی لوگ ہیں جو اپنی تصنیفات میں افادی پہلو پر نگاہ رکھتے ہیں۔ شعلہ صاحب کے افسانوں میں یہ نقائص مفقود ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں نفسیاتی خوبیوں۔ جذباتی رنگینیوں اور اخلاقی محاسن کو کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔ اُن کا اسلوب بیان خاطر پذیر، عبارت شگفتہ اور پلاٹ دلچسپ ہوتا ہے۔ جملوں کی بناوٹ سے نیاز مندی نمایاں رہتی ہے۔ سیدھی سیدھی باتوں کو بھی مخصوص انداز سے یوں

سج سجا کر پیش کرتے ہیں کہ چار و ناچار داد دینا پڑتی ہے۔ چونکہ موصوف فلسفہ پسند قلب و دماغ لائے ہیں اس لئے اپنے افسانوں کے واسطے جو واقعات منتخب کرتے ہیں اُن میں فلسفہ، نفسیات کے عناصر نظر انداز نہیں ہونے پاتے۔ اُن کا تخلص شعلہ ہے۔ شعلہ کی خصوصیت ہے کہ وہ بلندی کی جانب راجع ہو اور پستی کی طرف رجوع نہ کرے۔ ممکن ہے کہ اسی خصوصیت کے اثر سے اُن کا شہباز تخیّل ہمیشہ فضائے بسیط کی بلندیوں میں پرواز کرتا رہتا ہے اور ایسے ایسے نادر مضامین شکار کرتا ہے جو ہمہ شما کے وہم و گمان میں بھی نہیں سما سکتے۔

افسانوں کی واقعیت

فی زمانہ بعض افسانہ نویسوں نے عوام کو اثر پذیر کرنے کے واسطے یہ وطیرہ اختیار کر لیا ہے کہ اپنے افسانوں کے عنوان کے نیچے تحریر فرما دیتے ہیں "سو فیصدی سچا افسانہ" حالانکہ حقیقت و اصلیت جو کچھ ہوتی ہے وہ اظہر ہے۔ دراصل افسانہ نام ہی ہے واقعات و مشاہدات کا۔ حال و ماضی سے مدغم ہو کر افسانہ بن جاتا ہے اور سلیقہ شعار دماغ انھیں بیتی ہوئی باتوں کو ادیبانہ سلیقے سے لکھ کر ضیافت طبع کا دل آویز سامان فراہم کر دیتے ہیں۔ "ادیب جمیل" کو اس فن میں کمال حاصل ہے۔ وہ اس وقت تک افسانہ لکھنے کو قلم نہیں اٹھاتے ہیں۔ جب تک اُن کی حساس طبیعت عالم رنگ و بو کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مواد مہیا نہیں کر دیتی "زخم و مرہم" کے تمام افسانے واقعات پر مبنی ہیں بلکہ میں تو اگر

شعلہ صاحب معاف فرمائیں) یہاں تک جسارت کرنے کے لئے آمادہ ہوں کہ مجموعۂ زیر نظر کے کل مضامین "آپ بیتی" ہیں اور "سرگزشت" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی اسباب ہیں کہ اُن میں زندگی کی ہنگامہ پرور روح کار فرما نظر آتی ہے۔ سنجیدہ اور ستھرے ہوئے مذاق کی اوٹ سے ادبیت کی ضیا باریاں۔ بصیرت افروزی کی خدمتیں انجام دیتی ہوئی ملتی ہیں۔ فلسفہ نفسیات کی متانت، سنجیدہ شوخیوں کی چھیڑ چھاڑ ظریفانہ جملوں کی شیرینی اور بلند پروازیوں کی نزاکت قارئین پر سکر کی سی کیفیت مسلط کر دیتی ہے ۔

"این سعادت بزورِ بازو نیست"

اس کے لئے فطری صلاحیتیں، طبعی مناسبت اور وہبی ذوق کی شدید ضرورت ہے۔

زخم و مرہم کے تخئیلی افسانے مجموعۂ زخم و مرہم کے آٹھ مضامین میں سے چار افسانے ایسے ہیں جن کے پلاٹ کی بنیاد تخئیل کی مرہون منت ہے۔ لیکن "ادیب جمیل" کے اختراع پسند دماغ نے تخئیلی واقعات کو بھی پُرکارانہ ذہنیت کی استمداد حاصل کرتے ہوئے دوراز فہم و بعید از قیاس حالات سے دست و گریباں نہیں ہونے دیا۔ اُن کے کردار علوئے نفس۔ شرافت ذاتی اور طہارت خیال کے جواہر پاروں سے مزین ہونے کے علاوہ شائستگی۔ سنجیدگی۔ نیز فصاحت و بلاغت کے صفات سے بھی عاری نہیں۔ اُن کے مکالمے

تہذیب و اخلاق کا رنگین البم کہے جا سکتے ہیں۔ اُن کا ماحول یہی ہوتا ہے جس میں ہم اور آپ روزمرّہ سانس لیتے رہتے ہیں۔ اس بیان کے ثبوت میں التہاب شوق ـ ناکام مصور، ہلال عید، اور کامیاب مصور پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مذکورہ افسانوں کا سرسری مشاہدہ بھی یہ راز افشا کرنے کو کافی ہے کہ "شعلہ صاحب" کے حقیقت نگار اور واقعہ نویس قلم نے جن سیرتوں کی مصوری کی ہے وہ اسی جہانِ گوشت پوست کے شریف الطبع کردار ہیں۔ کسی اور دنیا کے باشندہ نہیں ہیں۔ اُن کی رفعت خیال، اُن کا پاکیزہ اخلاق۔ اُن کی نفسیاتی گفتگو یہ سب آئینہ داری کرتی ہیں مصنف کے بہترین کردار کا اور یہی چیزیں جناب شعلہ وارثی کی بلند شخصیت کو بے کم و کاست نمایاں کرتی ہیں۔ کاش! اس مختصر مضمون میں اتنی وسعت نکل سکتی کہ مذکورہ افسانوں کا تھوڑا بہت اقتباس اپنے بیان کی تصدیق میں پیش کر سکتے لیکن ——— لیکن قارئین خود ہی "زخم و مرہم" کا مطالعہ کرتے وقت محسوس کر لیں گے کہ ان اوراقِ رنگین کے دامن میں سنگ ریزوں کی طرح جابجا ادب پارے بکھرے پڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے چند کا انتخاب کرنا کس قدر دشوار ہے۔

حقیقی افسانے حقیقی افسانوں سے میرا مفہوم وہ افسانے ہیں جو حسب ذیل عنوانات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ راز مشتری۔ داستان محبت کے خونی اوراق اور جلوۂ

بے محابا کی سحر کاریاں" یہ رازِ درونِ پردہ ہیں جنھیں بے نقاب کرنا مناسب نہیں۔ آپ کو اختیار ہے "آپ بیتی" تصور فرمائیے یا "جگ بیتی" ان میں کا ہر افسانہ فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات، فلسفۂ زندگی وغیرہ سے آراستہ ہے جملوں کی دل نشینی لفظوں کی شگفتگی۔ عبارت کی رنگینی۔ لطیف طنز۔ سنجیدہ ظرافت۔ نیز وہ محاسن جو فطرت نے شعلہ آسا صاحب کی شخصیت میں ودیعت کر دئے ہیں۔ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والے یہ گمان کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ زیرِ نظر افسانے گل سرسبد یا شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کاش وہ افسانوں کی سحرکارانہ دلچسپیوں سے آزاد ہو کر سوچ سکتے کہ مصنف کا معنی آفریں دماغ ان سے بدرجہا بہتر جواہر پاروں کا مخزن ہے۔

کمزوریاں

انسانی خصائص میں جہاں بہت سے اوصاف پائے جاتے ہیں وہاں خطا و نسیان کا موجود ہونا بھی ناگزیر ہے۔ دنیا کا کوئی ادیب یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ چھوٹی بڑی ہر قسم کی غلطیوں سے محفوظ ہے۔ "ادیب جمیل" بھی انسان ہونے کی حیثیت سے بری نہیں ہو سکتے۔ اُن کی ادبی کاوشوں میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اس لئے "زخم و مرہم" میں بھی کہیں نہ کہیں کمزوری ہو سکتی ہے جو یا تو شعلہ آسا صاحب کی مخلصانہ محبت کے باعث محسوس نہ کر سکا یا در اصل اس مجموعہ میں کمزوری ہے ہی نہیں۔"

مرزا فدا علی بیگ خنجر

MUNICIPAL LIBRARY
Narkana
Sahib.

"نئے افسانے کی سرخی"

(از:- پروفیسر اویس احمد صاحب بی۔ اے
(آنرز) ایم اے۔ حلیم کالج کانپور)

افسانے سے زیادہ دلچسپ افسانہ کی سرخیاں ہوا کرتی ہیں اور وہ اُس وقت جبکہ وہ افسانے کی پوری پوری ترجمانی کر دیں۔ افسانے کی پوری ترجمانی اس حالت میں ہو سکتی ہے جبکہ افسانہ نگار میں یہ شعور پیدا ہو جائے کہ افسانے کی سرخی کے انتخاب کے وقت کن کن باتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اگر وہ حساس ہے تو اُس کے افسانے زندگی کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویریں ہونگے ورنہ وہی مُردہ قالب جنکی زندگی محض تہمی ہو اور جو آب حیات سے زندہ کئے گئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افسانہ نگار افسانہ کے کردار کو اپنی گرفت میں رکھ کر اُن کی زبان بند کر کے خود ہی بولتا اور بیان کرتا چلا جائے۔ نہ کرداری ارتقا ہو اور نہ افسانوی اثرات پیدا ہوں۔ نہ پلاٹ کے ارتقاء میں کوئی مدد ملے۔ اور نہ قصہ پر ہی کوئی روشنی پڑے۔ مگر زندہ افسانے خود ہی بول اُٹھتے ہیں مگر کردار خود گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عمل سے اپنی گفتگو کو صحیح کر دکھاتے ہیں

اور وہ یہ بتا دیتے ہیں کہ اگر اُن کے افسانہ نگار میں یہ تخیل پیدا نہیں ہوا تو وہ شعور میں ضرور تھا۔ اور یہ غیر شعوری طور پر اُس نے سوسائٹی کی مختلف تصویریں پیش کر دی ہیں۔

ایسے افسانہ نگار مصوری سے بہت نزدیک آجاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک کو پڑھ کر یا سُن کر اور دوسرے کو دیکھ کر حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں اس قدر اضافہ کی ضرورت اور ہے کہ تصویر کو دیکھ کر دل و دماغ اتنے متاثر نہیں ہوتے جتنے کہ کسی کی گفتگو سن کر یا حالات پڑھ کر۔ مگر یہ صرف اسی صورت میں جبکہ وہ گفتگو بھی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ دل کی انتہائی گہرائی سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ یہ اثر صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دل میں آگ لگی ہو اور اُس سے شعلے پیدا ہو رہے ہوں۔ شعلہ جس چیز کو پیدا کرے گا وہ اُسی قبیل کی ہو گی۔ اُس میں سوزش، جلن، تڑپ اور بیتابی نظر آئے گی۔

حضرت شعلہ وارثی لکھنوی کا زیر نظر مجموعہ "زخم و مرہم" اضطراب اور سوزش کا مجسمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کردار دل رکھتے ہیں۔ اور دلی جذبات کی ترجمانی کے لئے منہ میں زبان۔ یہ زبان اُس محبت کی ترجمانی کرتی ہے جو اُن میں سے ہر ایک کے دل میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔ مگر یہی خار کبھی کبھی بازاری پھول بھی بن جاتا ہے جس سے حقیقت اور اصلیت دونوں کنارہ کش ہو جاتی ہیں۔ اس پھول سے اصل روح کھینچ لی جاتی ہے جو اس کو مُردہ اور بے کیف بنا دیتا ہے۔ دراصل محبت ہی

انسانیت کا رومان ہے۔ جب یہ عنصر مفقود ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی ہی کا نہیں بلکہ انسانیت کا رومان ختم ہو جاتا ہے۔ انسانیت کے رومان سے مُراد دنیا کی مختلف کیفیتیں۔ حالتیں اور وارداتیں ہیں جو حضرت انسان کو زندگی کی دوڑ میں قدم قدم پر پیش آتی ہیں۔ زندگی کی ہر دور پر وہ ایک نہ ایک رُومان سے دوچار ہو کر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اُس کی تلخی سے بے کیف ہوتا جاتا ہے۔ یہی در اصل وہ حقیقی ہیں جو شعلہ صاحب کے اس مجموعہ میں جگہ جگہ نمایاں ہیں۔ جہاں "التہاب شوق" حُسن و عشق ۔ وصل و ہجر اور محبت کی منزلوں پر انھیں غور کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے "وہاں جلوۂ بے محابا کی سحر کاریاں" اُنھیں اس رومانی فضا کی طرف کھینچ لے جاتی ہیں اور "خمارِ یک شبی"[۱] عطا کرتی ہیں ـــ پیالیوں اور تشتریوں کے شکستہ تار اس کیف کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ شعلہ اپنی شعلہ فشانیوں کے باوجود بھی اُس نازک خوبصورت اور حسین مگر غضبناک بھبھوکا اور قیامت نُما رفیقۂ حیات کو فنا نہیں کر سکتا۔ خود فنا کی طرف بڑھتا ہے مگر زمانہ طرح طرح کے نشیب و فراز دکھاتا ہے۔ کبھی اس رومانی فضا کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی اسے دوبارہ حیات بخشتا ہے ـــ بسا اوقات یہ رومان یعنی زندگی کی رومانی فضا اس قدر طویل ہو جاتی ہے کہ پرستار "ادھیشری" پکار اُٹھتا ہے مگر کامیاب مصور "وہی ہے

---

[۱] "خمارِ یک شبی" دوسرا مجموعہ "بکھرے موتی" میں طبع ہوا ہے۔

زندگی کی ایک اور شاہراہ اختیار کر لیتا ہے اور اپنے مقصد کی تکمیل کر لیتا ہے۔ مقصد کی تکمیل کبھی قدیم انداز سے ہوتی ہے اور کبھی جدید سے! قدیم کبھی فرسودہ نہیں ہوتا۔ مگر اس میں وہ جاذبیت اور کشش باقی نہیں رہتی جتنی کہ نئی میں ہوتی ہے کیونکہ "کل جدید لذیذ" کے مطابق ہر نئی چیز زیادہ دلکش۔ دلچسپ اور جاذب نظر ہوتی ہے۔ شعلہ قدیم طرز کے افسانوں کے خالق ہیں مگر وہ صرف ایک رُخ ہے۔ ایک رُخ کے یہ معنی ہیں کہ دوسرا رُخ صفحۂ قرطاس پر نہ آئے گا۔ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ زمانے اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی اور لازمی ضروری ہے۔ شعلہ فنا کے درجہ کو پہنچ چکا تھا مگر اب پھر چمکا ہے۔ یہ رومانی فضا شاید اس کے توسل سے اور زیادہ اُجاگر ہو جائے۔ اس چمک کو اُن کے نئے افسانے کی سُرخی سمجھنا چاہیئے۔

اُویس احمد ادیبؔ
حلیم مسلم کالج کانپور

تصویر سے

برپا کیا ہے شوخیٔ تصویر نے تری
ہنگامہ اک سکوت کا محشر کہیں جسے

سُن او خاموش شبیہہ حسن و جمال اور اے پیکر عز و ناز۔ یہ تیرے معصوم چہرے پر ایک شانِ معصومیت سے بکھری ہوئی بے ترتیب اور بے پروا زلفیں مجھے اُن لمحاتِ شوخ کی یاد دلا رہی ہیں جبکہ میں نے پہلی بار تجھے ایک زرکار فیروزی رنگ کی ساری میں ملفوف دیکھا تھا اس حال میں کہ بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے تیرے صاف و شفاف رخساروں کے بوسے لے رہے تھے۔ تیری بکھری ہوئی زلفیں نیم عُریاں سینے پر لوٹ رہی تھیں اور میرے منہ سے ایک سرد آہ کے ساتھ بیساختہ یہ شعر نکل گیا تھا ؎

کبھی گیسو سنور جاتے کبھی گیسو بکھر جاتے
یہ عالم دیکھنے والے بھلا جیتے کہ مر جاتے (شعلہ)

میرا دل اس "دامگاہِ محبت" میں اُسی وقت اسیر و نخچیر ہو گیا تھا اور میں تیرے لئے ہر وقت مضطرب رہنے لگا تھا۔ میرے لئے دن اور رات دونوں یکساں ہو گئے تھے یہاں تک کہ تیرا خیال اب میرا جزو زندگی بن گیا۔ میں نے اپنے خیال کی دیوتا کو اپنے خیال کی گہرائیوں

تک تجھ کو تلاش کیا اور تیرا جلوہ بھی ہر جگہ پایا لیکن وہ تو نہ تھا بلکہ خیال کی مرقع آرائیاں تھیں یا آرزوئے دل کی ایک وہمی تصویر۔

مجھے اس حالت میں بھی سکون نصیب تھا اور میرا دل و دماغ معطّل نہ ہوا تھا، لیکن آہ! تیرا وہ آخری حملہ اور تیری وہ آخری خون آلود تحریر میرے دامنِ صبر کو تارتار کر گئی اور میں مجبورِ التہاب ہو گیا۔
قلب کے ہر ہر پردہ میں سو سو ناسور پڑ گئے اور

اب یہ باقی ہے کہ صدموں سے کلیجہ نکلے

آہ! تو خاموش ہے لیکن کیوں؟ کیا اس لئے کہ میں تجھ سے دردِ دل کہوں اور تجھے اپنی زندگی کا پریشان تذکرہ۔ قلب کی روداد مضطرب۔ آنکھوں کی فریادِ مبہم۔ حِس کی نالۂ خموش اور روح کی ناتوان آواز سناؤں؟ — ہاں میرے جسم کی رگ رگ ایک داستان کہہ سکتی ہے اور میرے پیکر کا رویاں رویاں "نغمہائے محبت" کی تلخ روداد بیان کر سکتا ہے لیکن نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اپنی بیقراریوں اور بیچینیوں کا اظہار کر کے کہیں اپنی ناکامیوں کی لذتوں اور حلاوتوں کو غارت نہ کر بیٹھوں جو میری زندگی کی سرمایۂ حیات ہیں اس لئے کہ میرے نزدیک زندگی نام ہے ایک اضطرابِ مبہم کا۔ اور یہی اضطراب زیست، صدقہ ہے تیری نرگسی آنکھوں کا جس کی بدولت میرے جسم کا ایک ایک عضو نزعی کیفیت محسوس کیا کرتا ہے۔ میں جب نظر ملتے ہی آن ٹھہر جانے

والی سرمگیں آنکھوں کا تصور کرتا ہوں جن کی ایک ہلکی سی جنبش کبھی مسرور کر دیتی ہے اور کبھی محزون۔ تو کانپ کانپ جاتا ہوں۔ لیکن برداشت کرتا ہوں محض اس لئے کہ میں تیری ان بادہ فروش آنکھوں کی طرف اپنے قلب کو بے اختیار کھنچتے ہوئے دیکھتا ہوں اور اس میں ایک قسم کی لذت بھی محسوس کرتا ہوں یا ایک خوشگوار تکلیف۔ ایک پُرلطف تپش اور ایک بامزہ کسک۔ میں نے اکثر اس کی تابندگی سے اپنی آنکھوں کو خیرہ بھی محسوس کیا ہے لہٰذا اے حسین شبیہہ ؎

زبانِ حُسن سے بے تابیٔ اُلفت میں رنگ آئے
مزہ تو جب ہے تو کہنے کو بیٹھے داستاں میری (شعلہ)

آہ! تو اب بھی خاموش ہے۔ بول اے شبیہہ پیکرِ ناز! بول اور اپنی حیا دوبھری خاموشی پہ مجھے مرٹنے اور اپنے بھولے پن پر جان دینے کی دعوت نہ دے۔ بول شباب کی جیتی جاگتی تصویر۔ حسن بے مثال کی بیمثال تشبیہ۔ صناع حقیقی کی اعلیٰ ترین صنعت۔ اور حُسن انسان کی لاجواب صورت۔ بول۔ شانِ استغنا کو چھوڑ اور خدا کے لئے صرف ایک بار اس طرح نغمہ سرا ہو کہ تیرا ہر نغمہ میرے لئے "پیامِ شکست خمار" بن جائے۔ تیری ناقابلِ اظہار مہربانیاں اور تیرا بیجا بانہ برتاؤ۔ عصمت میں ڈوبے ہوئے دوشیزگی کے جسم وابرو کا تصور۔ بھولے پن اور ناسمجھی سے پیدا ہو جانے والی جدائی۔ میرے ساتھ وہی کام کر رہی ہے جو ہوا آگ اور بارش طغیانی کے ساتھ کیا کرتی ہے۔

تیرے وہ ہلکی ہلکی سُرخی مارتے والے رُخسارے۔ اور نیم شگفتہ گلاب کی وہ جیتی جاگتی پنکھڑیاں۔ تیرا وہ دوشیزگی کا عالم اور بھولے پن کا زمانہ۔ وہ کمسنی کی کیفیت شعلہ اور شعلۂ جوالا۔ فتنہ اور فتنۂ قامت طرز خرام اور خرام ناز کا تصور میرے جسم میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہی تو میں تجھے کیسے سمجھاؤں کہ میرے شوق کا کیا حال ہوتا ہے۔ اور میرے اضطراب کا کیا رنگ ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ہو اور کبھی جُدا نہ ہو۔ بیتاب ہو جاتا ہوں کہ کاش تو میرے پہلو میں ہوتی اور میں تجھے وہ نغمۂ حیات سناتا جس کے سُننے کے لیے تیری ہستی اپنے اندر ایک مجہول خلش لیے ہوئے ہے۔

آہ! تو پھر خاموش ہے بول اے خاموش پیکر جمیل بول۔ آخر تیری یہ خاموشی اور یہ تیرا تحیر کب تک قائم رہے گا۔ باہر آ۔ اے فتنۂ پیکر تحیر کی گہرائیوں سے باہر آ۔ اور پردہ حجاب کو اُلٹ دے۔ ورنہ یہ تیری خمار آگیں آنکھیں یاسمین لبوں کی سُرخی اور تیرے شباب کی رعنائیاں جس میں نہ معلوم کتنی لذتیں پنہاں ہیں مجھے مدہوش کر دیں گی۔ خدا کے لیے تو ان نشہ آلود پلکوں کو اُٹھا اور ان مے فروش آنکھوں کو جنبش دے کہ تیری ہر نظر ایک جان منتظر ہے۔ آہ۔ میں تیرے سامنے جبینِ شوق کو خم کر رہا ہوں۔ میرا سجدۂ محبت قبول کر اور اپنے متصل سکوت سے میرے خول دل کو منجمد اور روح کو تحلیل ہونے سے بچا۔ اور مجھے بتا کہ تو تنہا اپنے "راحت کدہ" میں

کیسے خوش ہے جبکہ میں آج تیرے سامنے کراہنے اور تیرے حسین قدموں پر گر کر مر جانے کے لئے تجھ سے قریب نہیں۔ آہ! نہ معلوم کتنے دریا، کتنے پہاڑ۔ اور کتنے ملک میرے اور تیرے درمیان تفرقہ انداز ہیں اور کس قدر نامساعد اتفاقات حائل۔ لیکن یہ تیری نشیلی اور سُرمگیں آنکھیں عارض کی شگفتگی اور بائیں رُخسار کا تل۔ حسین اور گلابی ہونٹ۔ میری ہمّت بڑھا رہے ہیں۔ اور میں یہ یقین کر رہا ہوں کہ اس وسیع دنیا میں کبھی اپنے جذبات کو تیرے قدموں پر بچھانے میں کامیاب ہو سکوں ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ؎

خاک بہلے تجھ سے دل فرقت میں اے تصویر ناز
تیری سُن سکتے نہیں اپنی سُنا سکتے نہیں

(شعلہ)

التہاب شوق

(۱)

"رشید، تم نے کبھی اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا کہ حسن، عشق اور محبت کے منازل وصل اور ہجر کے درجات کیا ہیں" ؟

"حسن وہ بھی کافر حسن" یہ ایک جاذب نظر اور قاتل شے ہے جس نے کیوپڈ ایسے تیر انداز اور غرور شکن کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کیوپڈ جس کی چٹکی نے لاکھوں دلوں پر تیر چلائے تھے اور نہ معلوم کتنے سینوں کو اپنی ناوک اندازیوں سے مجروح کیا تھا۔ لیکن سائکی کے وہ تیر جو حسن کے ترکش میں پنہاں تھے۔ وہ پیکان جنھیں صرف اسی پیکر حسن کی مخمور آنکھیں بغیر کسی انتظام و انصرام کے چلا سکتی تھیں وہ کیوپڈ کی ناوک اندازیوں سے کہیں زیادہ تباہ کرنے والے ثابت ہوئے تھے جو اُس کے دل میں پیوست ہو گئے اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔

غرض کہ یہی تھا ایک کامیاب جلوہ۔ یا یہی ہے ایک کامیاب اور کافر حسن۔ مرد حسن کے جلوؤں اور اُس کی رنگینیوں کو حاصل کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھ لیتا ہے جو حقیقت ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ

یہی رنگینیاں اور جلوۂ بے محاباں کی کارفرمائیاں مرد کو ہمیشہ کیلئے اپنا شکار بنا لیتی ہیں۔

عشق و محبت! آہ! محبت ایک اٹل اور لازمی شے ہے جس کا ہر دل میں پایا جانا نہایت ضروری امر ہے۔ ورنہ بقول شخصے "اگر دنیا میں ایک بھی محبت کرنے والا دل باقی نہ رہے تو آفتاب اپنی حرارت کھو بیٹھے" محبت ایک ایسا جذبہ آتشیں ہے جو انسان کے دل میں ہر وقت بھڑکا کرتا ہے اور وہ اُس کی آگ سے اپنے جسم کے ہر ہر عضو کو جلتے ہوئے محسوس کرتا ہے اور وہ اس کی آگ سے اپنے جسم کے ہر ہر عضو کو جلتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ وہ روح کا ایک جزو ہے اور روح کی طرح غیر فانی بھی ہے اور غیر محدود۔ اُسے نہ تو کوئی چیز محدود کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی چیز سے بجھ سکتی ہے۔ آہ! محبت ایک ایسا لطیف اور پاکیزہ جذبہ ہے جو انسان کو تمام مصیبتوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

وصل و ہجر:۔ یہ دوسرا جذبہ ہے عشق و محبت کا۔

وصل:۔ "ایک سرور کا نام ہے اور یہ ایک کیفیاتی شے ہے جس کی لذتوں اور حلاوتوں کو بیان کرنا امکان سے باہر ہے۔ اس کا حاصل کرنے والا خوش قسمت سمجھا جاتا ہے۔"

ہجر:۔ "ایک زحمت بیجا کا نام ہے اور یہ ایک ایسی نشترانہ شے ہے جس کی ترجمانی بہترین الفاظ کی نقاشی کے ساتھ کرنا ناممکنات

سے اگر نہیں ہے تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن اس کا حاصل کرنے والا ایک بدنصیب شخص سمجھا جاتا ہے۔"

رشید نے میری تمام باتوں کو نہایت غور و خوض۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ سُنا اور اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں پر قبضہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "میں ان تمام باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ آپ زحمتوں اور مجبوریوں کا ذکر کرتے ہیں، لیکن یہ بتلایئے کہ کیا آپ نے کبھی حقیقی مجبوریاں بھی دیکھی ہیں"؟ میں نے اپنا سگریٹ جلاتے ہوئے کہا!! "یعنی"؟

"یعنی یہ کہ پہلے آپ میرے واقعات سُن لیں اور اُس کے بعد اپنی حقیقی رائے کا اظہار فرمائیں تاکہ میں اپنے دل کی خلش دور کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو سکوں۔

" رشید کا جواب سن کر میں نے اس کے چہرے پر نظر کی تو وہ بہت مضمحل نظر آرہا تھا۔ اُس کے چہرے سے دلی بےچینیوں اور بےقراریوں کے آثار نمایاں تھے اور اُس کی آنکھوں میں ایسی چمک پائی جاتی تھی جو "ملتہب شعلہ عشق" نظر آرہی تھی۔ میں نے کچھ سکوت کے بعد جواب دیا۔

"اچھا، کہو رشید۔ میں تمھارا افسانۂ غم سُننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوں۔"

(۲)

رشید نے آنسو پاک کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

آج سے چار سال قبل کا ذکر ہے جبکہ امتحان کی کامیابی میری تعلیمی ارتقاء تھی۔ میں آپ سے جدا ہوکر اپنے والدین کے پاس پہنچا اور اُن سے اجازت لے کر اپنے ایک مخلص دوست کے وہاں جو میری زندگی کے اکثر رازوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ میں جب کبھی اسکول کی تعطیلوں میں لکھنؤ سے مکان واپس جاتا تھا تو اُن کے وہاں عموماً شکار کے شوق سے جایا کرتا تھا اور اکثر دو دو ہفتہ اُن ہی کے مکان پر رہتا تھا۔ اُن کی شادی طالب علمی کے زمانے میں ہو چکی تھی لیکن میں ہنوز غیر شادی شدہ تھا اور اُن سے عمر میں بھی دس سال چھوٹا تھا۔ وہ خانگی اُمور اور زمانہ کے افکار و حوادثات کا شکار ہوکر اپنا سلسلۂ تعلیم جاری نہ کر سکے تھے۔ اور اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی ایک قصباتی اسکول میں مدرس ہو گئے تھے۔ غرضکہ ایک ہفتہ کے بعد اُنھوں نے مجھ سے کہا۔

"رشید میاں۔ میرے ایک عزیز کے وہاں شادی کی تقریب ہے۔ اُن کا مکان یہاں سے بیس میل کے فاصلہ پر ہے اور راستہ بھی بہت خراب ہے۔ آج گھر کی تمام عورتیں بغرض شرکت وہاں جانے والی ہیں۔ لہذا ہمراہی میں ایک مرد کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر آپ ساتھ چلے جائیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ میری چھٹی کی درخواست نامنظور کر دی گئی ہے لہذا میں ہمراہ جانے سے مجبور ہوں اگر ممکن ہوا تو عین وقت پر پہونچنے کی کوشش کروں گا ورنہ واپسی میں بھی آپ ہی کو زحمت برداشت کرنا پڑے گی۔"

میں یہ سُن کر جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ تین یکّوں پر صرف عورتوں کو سوار کر کے چوتھے یکہ پر میں اور چند چھوٹے بچے سوار ہوئے اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے سڑک حقیقتاً گچی سے بھی زیادہ خراب تھی اس لئے کہ یکہ کا پہیہ بقدر ۱/۲ حصّہ زمین میں دھنس رہا تھا بیس میل کا سفر اُس پر یہ قیامت کہ زنانی سواریاں ہمراہ اور راستہ بہت زیادہ خراب ابھی ہم لوگوں نے آٹھ میل راستہ طے کیا ہو گا کہ دفعتاً ایک یکہ کا کمانی ٹوٹا اور وہ اُلٹ گیا۔ سواریاں سڑک پر گریں اور گھوڑا اساڑ تڑا کر بے تکان بھاگا۔ سب یکے روک دئے گئے۔ میں یکہ پر سے فطری طور پر جست کر کے نہایت تیزی کے ساتھ سواریوں کے قریب پہنچا اور جو عورتیں صدمہ سے بیہوش ہو چکی تھیں اُن کو جلدی سے اپنی آغوش میں لے کر دوسرے یکہ پر سوار کیا لیکن آخری عورت کو اُٹھاتے وقت جب میری نگاہ اُس کے چہرے پر پڑی تو میرے تمام جسم میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور مجھ پر ایک لمحے کے لئے بیخودی طاری ہو گئی۔ مَیں نے بڑے بڑے کافر حسین دیکھے تھے، لیکن یہ دلفری میرے لئے قطعی نئی تھی۔ میں نے اپنے حواس درست کئے اور بمشکل اُس کو یکہ پر پہنچایا۔ اور ایک کنوئیں سے پانی لا کر اُن بیہوش عورتوں کو ہوشیار کیا۔ اپنے یکہ پر سے بچوں کو اُتار کر دوسرے یکہ پر سوار کیا اور خود ان مجروح عورتوں کے یکہ پر بیٹھ گیا۔ یکے پھر روانہ ہوئے اور خدا خدا کر کے پانچ بجے ہم لوگ بوقت تمام منزلِ مقصود پر پہنچے۔

میں مردانہ مہمان خانہ میں پہنچکر ایک تنہا گوشہ میں بیٹھ گیا اور برابر یہ سوچتا رہا کہ بار بار آخر یہ جمیل ہستی کون ہے؟ جو میرے دل کو درد آشنا بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھ پر ایک غمگین کیفیت مستولی تھی اور میں اُس پیکرِ جمال کے حسن کی ضیا باریوں سے کائنات کے ذرّے ذرّے کو روشن اور منور دیکھ رہا تھا جس کی لذت سے کبھی آشنا نہ ہوا تھا۔ اگر میرا دل ان کیفیات سے آگاہ نہ ہو گیا ہوتا تو میں یقیناً چار یوم اس شور و شغب میں بسر نہیں کر سکتا تھا۔ تمام مہمان قصباتی شرفا تھے اور مسرور نظر آ رہے تھے۔ لیکن میں ایک گوشہ میں افسردہ اور مضمحل بیٹھا ہوا تھا۔ اور حیران تھا کہ یہ جذبہ کیسا ہے اس لئے کہ میں ؎

"محبت بیک نگاہ" کا قائل نہ تھا۔ میں اپنے قلب میں اس تخیل کو جگہ نہیں دینا چاہتا تھا لیکن بلا ارادہ اور خواہ مخواہ مجھ پر اس تخیل کا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ میں نے اس کیفیت کے قبل شعر خوانی کو ہمیشہ بے سود پایا تھا اور اُس کی لذتوں سے بالکل محروم تھا لیکن اب میں اُس میں ایک ایسا کیف محسوس کرتا تھا کہ مجھ پر کسی وقت بیخودی طاری ہو جاتی تھی۔

خدا خدا کر کے شادی کی تقریب ختم ہوئی اور دوبارہ مجھ ہی کو واپسی کی خدمت بھی انجام دینا پڑی اس لئے کہ میرے دوست اس تقریب میں شرکت نہیں کر سکے۔ واپسی کا سفر بالکل خیریت سے طے ہو گیا۔ لیکن یہاں پہونچنے کے بعد میری حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور میں ہر وقت اس مجموعہ رعنائی کے خیال میں غرق رہنے لگا۔ میں نے بہت کوشش

کہ یہ کیفیت کم ہو جائے لیکن آہ! ایسا نہ ہوا۔ میرے دوست نے بھی میری حالت کا اندازہ کر کے بارہا واقعات دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ناکام رہے۔

(۳)

چند روز بعد جب میں اپنے دوست سے رخصت ہو کر مکان واپس آیا تو میری عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ میں تمام دن ویرانوں اور جنگلوں میں بسر کرتا تھا اور اشعار حزینہ پڑھا کرتا تھا اسی دیوانگی کے عالم میں مجھے ایک سال گزر گیا اور آخر کار میری والدہ نے انتہائی پریشانی اٹھانے اور دعا تعویذ کرنے کے بعد حکیموں اور ڈاکٹروں کی رائے سے زبردستی میری شادی کر دی۔ مجھے اپنے گھر کے تمام آدمیوں کی پریشانی کا احساس تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان پریشانیوں کا سبب صرف میری ذات ہے میں کوشش کرتا تھا کہ اپنی حالت سنبھالوں لیکن مجبور تھا ایک طرف اگر مجھے والدہ کی انحطاطی کیفیت کا خیال تھا تو دوسری طرف اپنی بیماری شریک زندگی کا۔ کیونکہ قسمت سے مجھ کو بیوی بھی ملی تو وہ دائم المرض۔ غرضکہ اختتام سال پر میری شریک حیات کا انتقال ہو گیا۔ اور میری حالت بد سے بدتر ہو گئی حالانکہ مجھے اپنی بیوی سے محبت نہ تھی لیکن اُس کی موجودگی میں کسی کا خیال کم رہتا تھا۔ بیوی کے انتقال کے بعد دفعتاً میری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا جس نے میرے سکون میں دو گونہ اضطراب پیدا کر دیا۔ آہ! والدہ کے انتقال کے بعد جو کچھ میری حالت ہوئی ہے

وہ ناگفتہ بہ ہے۔ اُن کے انتقال کی خبر سُن کر میرے دوست بھی آئے تھے۔ اور مجھے بجبر اپنے ہمراہ لیتے گئے تھے۔ وہ میری حالت سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ اُنھوں نے کوشش کی اور آخرکار ایک دن مجھ سے میرے راز کو معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ واقعات کو سُن کر وہ بہت دیر تک خاموش رہے اور کچھ دیر کے بعد کہنے لگے۔

"رشید میاں۔ یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہ تھی جو پوری نہ ہوسکتی۔ آپ نے بیکار کو خاموشی اختیار کر کے اپنی زندگی کو تلخ بنا لیا۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے دردِ دل کا علاج کرنے کی بہت جلد کوشش کروں گا۔"

(۴)

میں مکان کی مردانہ نشست میں مقیم تھا جس کا ایک دروازہ زنان خانہ سے ملحق تھا۔ ایک دن شب کو گیارہ بجے یکایک وہ دروازہ کھلا۔ اور ایک مجسمۂ رعنائی۔ ایک نور پاش خراماں پیکر میرے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی چال میں جھجک تھی اور اُس کے چہرے پر فطری حیا میں نے اُسے پہچانا جس کی برق پاش نگاہیں اور حیات سوز نظریں زمین کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ آہ! یہ وہی نزہت بار ہستی۔ وہی صفا ترکیب عناصر وہی شاداب حُسنِ رواں۔ میرے سامنے موجود تھا جس نے میرے وجود کو، میری روحِ لرزاں کو ایک زمانہ سے مسحور کر رکھا تھا میں نے کئی بار اپنی آنکھوں کو ملا اور مطمئن ہو کر کہا۔

00342NS

"حسین دوشیزہ - کیا تجھے اس کا بھی علم ہے کہ میں نے یہ دو سال کیسے گزارے - میری روح صرف تیری یاد میں ہر وقت مصروف رہی۔ اور تیری ہی پرستش کرتی رہی - آہ! ایک اضطراب تھا جو کسی وقت سکون اور آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور ایک بےچینی تھی جس نے راتوں کی نیند حرام کردی تھی۔"

اس پیکرِ ناز نے میری والہانہ گفتگو کو سُنا اور کچھ سکوت کے بعد شرم آلود آواز سے جواب دیا۔

"مجھے ابا جان نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

آہ! یہ الفاظ نہ تھے نشتر، جو میرے قلب و جگر میں پیوست ہوگئے اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک دریا جاری ہوگیا۔ دفعتاً میرے مُنہ سے بےساختہ ایک خفیف چیخ کے ساتھ یہ فقرہ نکلا جو کمرہ کی خاموش فضا میں گونج گیا اور میں بےہوش ہوگیا۔

"آہ! میں ــــــ اور اپنے دوست کی لڑکی کا عاشق۔"

تھوڑی دیر کے بعد جب میں ہوش میں آیا تو لڑکی میرے پلنگ کے قریب ایک کرسی پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی - میں نے اُسے دوبارہ غور سے دیکھا اور نہایت لجاجت سے کہا۔

"جا - اے پیکرِ عز و ناز - جا - مجھے معاف کر اور خدارا ان الفاظ کو بھول جانے کی کوشش کر جو میری دیوانگی اور حالت بےخودی میں نکلے ہیں۔"

لڑکی خاموشی کے ساتھ کمرے سے چلی گئی اور مجھ پر تمام رات ایک،

خاص کیفیت طاری رہی۔ میں سچے دل سے اپنے دوست کی قدر کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ آدمی نہیں ہے فرشتہ ہے جو انسانی قالب میں نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا دل سچی محبت اور خلوص کا ایک ایسا سرد و شیریں چشمہ ہے جو سخت پتھروں کے نیچے بہہ رہا ہو۔ آہ! وہ شریف ہے اور باوفا۔ اس نے اپنی عزت اور اپنے وقار کو ایک دوست پر قربان کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تصور کیا غرضکہ میں تمام شب روتا رہا اور درگاہِ الٰہی میں نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے دوست کی اس قربانی اور اپنے جذبات اور تخیلات پر قابو پانے کے لئے دعا کرتا رہا۔ صبح کو جب میرے کمرے میں میرا دوست داخل ہوا تو مجھے کچھ سکون تھا۔ میں نے دریافت کیا۔

"آپ کی بچی کا نام"؟

"فاطمہ"

"کیا شادی کے متعلق ابھی کہیں طے نہیں ہوا"؟

"ہاں پیشکار کے لڑکے کے ساتھ"۔

"تو اب تک کی کیوں نہیں"!

"آپ کو میری حالت کا بخوبی علم ہے لہذا وجہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں"۔

"تو کیا میں امید کروں کہ آپ کل اس کا عقد پیشکار کے لڑکے کے ساتھ کر دیں گے۔ تمام ضروری سامان میں آج ہی شام تک مہیا

کر دوں گا محض اس لئے کہ وہ میری بھی بیٹی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری اس التجا کو مسترد نہ کریں گے۔"

یہ سُن کر میرے دوست نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور میں نے اس خاموشی کو رضا سمجھ کر اُسی دن اپنے سرمایہ سے فوراً کل سامان درست کیا اور دوسرے دن شب کو یہ عقد انجام پا گیا۔ چند روز کے بعد میں بھی اپنے مکان واپس چلا آیا۔ اور اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ مجھے اُمید تھی کہ رفتہ رفتہ یہ خیال کم ہو جائے گا۔ لیکن نہ کم ہونا تھا نہ ہوا۔ التہاب اُسی صورت سے باقی ہے۔ شوق کی وہی فراوانی ہے لفظ بیٹی کو یاد کرتا ہوں۔ دوست کی اولاد کا خیال کرتا ہوں ایک غیر کی بیوی ہونے کا لحاظ کرتا ہوں لیکن بے سود۔ آہ! میرے جذبے میں استقلال ہے اور اب وہ اس وقت تک نہیں مٹ سکتا کہ میں پیوندِ خاک نہ ہو جاؤں۔ حالانکہ میری مغموم روح کو اس وقت بھی چین نہیں نصیب ہو گا۔

(۵)

میں نے رشیدؔ کی رودادِ محبّت کو غور سے سُنا اور کچھ سکوت کے بعد ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"رشید تمھارا افسانہ محبّت، تمھاری داستانِ غم بہت زیادہ دردناک اور متاثر کر دینے والی ہے، اس میں شک نہیں کہ تم لائق قدر ہو اور تمھارا جذبہ بھی لائق صد ستائش اور قابل احترام ہے۔ آہ! کیسی مغموم ہے وہ روح جو غمزدہ محبت کہلانے کی مستحق ہو۔ خدا کے موجودات عالم پوشیدہ کئے ہوئے ہیں

یہ موجودات تاریک ہیں، دھندلے ہیں، لیکن کسی سے محبت کر لینا گویا ساری کائنات کو شفاف اور تمام موجودات کو منور بنا دیتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو مجاز سے حقیقت میں پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر مجھ سے رائے دریافت کرتے ہو تو میں کہوں گا کہ محبت ہی وہ چیز ہے جس سے انسان ابدی زندگی حاصل کر سکتا ہے اور اسی سے ابدیت بھی معمور ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ محبت غیر محدود اور غیر فانی ہے اور اُسے پُر کرنے کیلئے غیر فانی ہی چیز کی ضرورت بھی ہے۔ لہٰذا اپنے محبوب کے جلوؤں میں اس غیر فانی ذات کو تلاش کرنے کی کوشش کرو جس کو خدا کہتے ہیں۔ یہی جادہ وجادۂ مستقیم ہے جو تمھیں منزل مقصود تک فوری خود ہی پہنچا دے گا۔ اِس لئے کہ جب تجلیات الٰہی سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے تو وہ بھی لافانی اور لامحدود ہو جاتا ہے۔ آہ! کس قدر درست ہے کسی کا یہ خیال کہ:۔ "محب سے محبوب ہو جانا گویا خدا ہو جانا ہے"

یہ سُن کر رشید پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے تمام کپڑے اُتار کر جسم پر ایک احرام باندھ لیا اور بے اختیار ہو کر یہ شعر پڑھتا ہوا ایک طرف راہی ہو گیا ؎

جاتا ہوں بھیک مانگنے امن و سکون کی
شاید ہو کوئی قلب شکیبا لئے ہوئے

ناکام مصوّر

شکیل ایک اٹھارہ سالہ خوبصورت نوجوان تھا جس کی پتلیوں میں عقاب کی آنکھوں کی سی چمک تھی اور چتونوں اور ہونٹوں کی ساخت سے خود دارانہ "شرافت" ٹپکتی تھی ہر چند اُس کے خوبصورت جسم میں نزاکت کے ساتھ ایک قسم کا گداز اور تھوڑی سی نسائیت بھی موجود تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس کے اسی نازک جسم میں رگوں کے بجائے فولادی تاروں کا جال بچھا ہوا تھا اور اُس کے خوبصورت بُت کی طرح سڈول اور ورزشی جسم میں ہر ہر عضو سے شباب اور چلبلے پن کی پوری کیفیت نمایاں تھی۔

شکیل اپنی سیرت کی لحاظ سے بھی ایک غیر معمولی انسان تھا۔ وہ آزاد۔ سچّا۔ اور نہایت صاف معاملہ آدمی تھا اور راز کو ایک بے معنی لفظ خیال کرتا تھا۔ اُس نے آج تک بُرا بھلا جو کچھ بھی کیا اُس کی سب کو اطلاع تھی اُسکی یہ بھی عادت تھی کہ وہ بے تکلف اپنے ہر جرم کا اعتراف کر لیا کرتا تھا۔ محض اس خیال سے کہ جرم کا اقبال کر لینے کے بعد دل پر بوجھ نہیں رہتا اور جب تک اقبال نہ کیا جائے ضمیر کی لعنت ملامت برابر سہنا پڑتی ہے۔

وہ اسکول کی ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد علیگڈھ کالج بھیجدیا گیا۔

اور اُس کا داخلہ "ممتاز بورڈنگ ہاؤس" میں ہوگیا لیکن جمیلہ کا خیال ایک منٹ کے واسطے بھی اُس کے دل سے دور نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ جب وہ کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہوتا تو اُس کی نظر میز پہ رکھی ہوئی تصویر پر پڑتی جو اُس کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی۔ وہ دفعتاً چونک پڑتا اور اُس کو ایسا معلوم ہوتا کہ تصویر اُس سے محویت غیر کا شکوہ کر رہی ہے۔ جب وہ تخیلات گوناگوں میں محو ہو کر تصویر کو دیکھ لیتا تو اُس کی آنکھ جھپک جاتی کیونکہ اُس کی گہری اور دور بین آنکھیں اُس کے خیالات کی تہ تک پہنچ جاتیں اور قلب کی گہرائی میں در آکر راز کا کھوج لگا لیتیں اور اپنی صورت حال سے چشمک زنی کرتیں۔ جب وہ سیر و تفریح کے لئے تیار ہو کر چلنے کا قصد کرتا تو تصویر اُس کی اس مجرمانہ کوشش کا مشاہدہ کرتی اور چشم زدن میں اُسے بے حس و حرکت کرسی پر بٹھا دیتی۔ وہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرتا تو اُس کی نظر تصویر پر پڑ جاتی اور وہ حزن و الم سے اُس کو دھندلی معلوم ہوتی اُس کی چمک دار کشادہ پیشانی اور بارعب آنکھیں شب کی سیاہی میں جب روپوش ہو جاتیں تو وہ حسرت و افسوس کے ساتھ تصویر کی محبت بھری آنکھوں کو بوسہ دیتا اور ایک سرد آہ کے ساتھ بستر غم پر دراز ہو جاتا۔

جمیلہ شکیل کی خالہ زاد بہن تھی اور اُس کی منگیتر جو بچپن ہی سے شکیل کی محبت میں گرفتار تھی۔ اُس کی عمر شکیل سے شاید چھ سال کم ہوگی۔ وہ خوش مزاج تھی۔ اس کا گداز جسم اُبھرے اُبھرے گلابی رخسار۔ بلوریں گردن۔ شرارت آمیز تبسم۔ سرو نما قد اور پھر نغمہ ریز آواز۔ غرضکہ وہ ایک عورت تھی جسے مکمل ترین عورت کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شکیل بچپن ہی

سے اُس کے حسن خداداد کی مختلف تصویریں لوحِ دل پر کھینچا کرتا تھا اور اُس کے امید افزا خیالات اُس میں گوناگوں رنگ بھر دیتے تھے ابھی شکیل کو ایک سال بھی کالج کی چہار دیواری میں نہ گزرا تھا کہ اسی سال یکایک جمیلہ کی شادی ایک ایسے شخص کے ساتھ کر دی گئی۔ جو اُس کی تعلیم کے لئے مقرر تھا اور اپنی زندگی کی کم از کم چالیس بہاریں ختم کر چکا تھا۔

اس تقریب کی تعجیل کی وجہ اور اس بیجا انتخاب کا سبب اُس کی سمجھ میں آج تک نہ آیا اور اُس کی رہی سہی امیدوں کا خون بھی ہو گیا۔ اُس کے والدین اور جمیلہ کے والدین سے نا اتفاقی ہو گئی اور قریب قریب تمام خاندان میں اس شادی سے بدظنی پھیل گئی جس کے سبب سے جمیلہ کا شوہر اُس کو چند دن کے لئے لکھنؤ سے لے کر کسی غیر معروف مقام پر بغیر جمیلہ کے والدین کی اطلاع کے چلا گیا اور بہت زمانہ تک لاپتہ رہا۔

یہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد شکیل کو سخت صدمہ پہنچا جس نے اُس کو تمام کاموں سے معطل کر دیا۔ وہ رات رات بھر آنکھیں بند کیے اس صورت سے کاٹ دیتا کہ جمیلہ اُس کے سامنے کھڑی ہے اور یہ اُس کو غور سے دیکھ رہا ہے وہ بیٹھی ہوئی ہنس رہی ہے اور یہ اُس کے جسم کی جنبش کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ وہ باتیں کر رہی ہے اور یہ اُس کی حلاوت سے لطف اُٹھا رہا ہے۔ اب اُس کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ آخر کار اُس کی تعلیم کا سلسلہ یہیں سے منقطع ہو گیا اور وہ کالج چھوڑ کر لکھنؤ

واپس چلا آیا۔ ایک عرصہ تک شہر کی گلیوں کی خاک چھانتا اور سودائیوں کی طرح مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر آہ! اس کے دل کی مالک جمیلہ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ وہ ہر چلمن کی آڑ میں اُس کا شبہ کرتا۔ اور ہر بند مکان میں اُس کی موجودگی کا خیال کرتا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا آخر کار اُس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور اُس کے خیالات روزانہ خراب ہوتے گئے۔ وہ اکثر بیکاری کے اوقات میں جمیلہ کی نسبت طرح طرح کے خیالات قائم کرتا تھا کہ جمیلہ خوش ہوگی۔ میرا خیال کبھی بھول کر بھی نہ آتا ہوگا لیکن نہیں، نہیں وہ ضرور یاد کرتی ہوگی اور اُسے میری محبت کا فسانہ بھی ضرور یاد ہوگا اور اُس نے مجھے کبھی فراموش نہ کیا ہوگا۔

غرضکہ جس قدر دن گذرتے گئے اُس کے مرض میں ترقی ہوتی گئی یہانتک کہ کوئی اُسے مدقوق کہتا یا کوئی جگر کی خرابیاں بیان کرتا اور کوئی مریض عشق کہتا چنانچہ اب اُس کی صورت ہی بدل گئی اور اُس کے پیکر میں وہ مردہ حسن کی بے پناہیاں جو پہلے موجود تھیں رخصت ہونے لگیں جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے ہم چشموں میں ممتاز رہا کرتا تھا اُس کے دوست اس کو از راہ تمسخر "دلبر" کہا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ بعض دل جلے اور چھپے رستم اپنے دل کی اصلی کیفیت کا اظہار اس لفظ سے کرتے ہوں اور اس کی دوستی محض ایک آڑ ہو مگر شکیل میں خودی اور خود پسندی نام کو نہ تھی اور نہ اُسے اپنی دلبری کا مطلقاً احساس تھا۔ اُس کا حلقہ احباب بھی بہت محدود تھا اور جو لوگ اس سے ملتے تھے وہ بھی کبھی کبھی۔

اس کو آرٹ سے بہت دلچسپی تھی اور فنون لطیفہ کے لئے طبیعت بچپن ہی سے موزوں تھی لہذا وہ مصوری میں مشغول ہو گیا اور قریب قریب ایک

حد تک کامیاب بھی ہوا۔ علاوہ اس کے اُس نے چند دیگر فنون لطیفہ کو بھی حاصل کیا جو اسی سے تعلق رکھتے تھے اُس کا کام تھا کہ صبح اُٹھ کر اپنی ڈرائنگ پنسل اور سادہ کاغذ جیب میں رکھ کر مکان سے دور تک پاپیادہ نکل جاتا اور واپس آ کر دُھندلے اور چند سرسری نقشے اور کچھ یادداشتیں نکالتا اور پھر دوپہر کو اُن میں رنگ بھرنے بیٹھ جاتا۔ البتہ ایک تعجب خیز بات یہ تھی کہ وہ ایک ہی حسین لڑکی کی تصویر کو مختلف طرز اور مختلف لباس میں پیش کرتا تھا جو اس کے لئے مختلف جذبات کے اظہار کا ذریعہ بھی کسی تصویر میں لڑکی مسکراتی نظر آتی تو کسی تصویر میں اس کے غم آگیں جذبات کو دکھایا جاتا اور ہر ایک تصویر کے نیچے شکیل ایک عنوان بھی قائم کر دیتا۔ اس واقعہ کے تین سال بعد جب جمیلہ لکھنؤ واپس آئی تو اُس کے والدین نیز قریبی رشتہ داروں نے انتہائی کوشش کی کہ شکیل اور جمیلہ کے والدین کی نااتفاقی کسی طرح دور ہو جائے چنانچہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد جب جمیلہ سے شکیل کا پہلی مرتبہ سامنا ہوا تو اُس نے جمیلہ کو مطلق نہیں پہچانا کیونکہ وہ اب گلشن حسن و شباب کا ایک شگفتہ پھول تھی اُس نے شکیل کے کاندھے پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شکیل بھائی"

شکیل جو جمیلہ کے ہاتھ کی گرمی سے اپنے جسم کی رگ رگ میں ایک برق انگیز کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ چونک سا گیا اور جب اُس نے مڑ کر جمیلہ کو دیکھا تو اُس نے کہا۔

"کیا آپ جمیلہ کو بھول گئے؟"
شکیل کے جسم میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا اور اُس نے بے اختیارانہ انداز سے جواب دیا۔

"نہیں۔ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتا"

وہ غمناک طریقہ سے مُسکرائی اور چلی گئی۔

شکیل کو یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہوا کہ جمیلہ اور اُس کے شوہر میں ہمیشہ سے کچھ نااتفاقی رہتی ہے جسکی وجہ سے وہ تنہا باہر رہا کرتے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی خالہ (یعنی جمیلہ کی والدہ) سے جب باتیں کر کے واپس آنے لگا تو جمیلہ زینہ پر دروازہ کے پاس ملی جو اُس کے انتظار میں کھڑی تھی ایک لفافہ اُس کے ہاتھ میں تھا جو اُس نے شکیل کو دیا۔ اور خود جلدی سے اندر واپس چلی گئی۔ شکیل لفافہ لے کر باہر آیا۔ راستہ میں لفافہ پر نظر کی تو اُس پر یہ شعر لکھا تھا ؎

رات دن بیتاب رکھتی ہے جدائی آپ کی
لٹ گئی ہیں راہِ اُلفت میں دوہائی آپ کی

وہ بیچین ہو گیا اور ایک بے پایاں شوق کے ساتھ لفافہ کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ ایک بیچینی تھی جو اُسے خط کے کھولنے پر مجبور کر رہی تھی ایک ولولہ تھا جو لفافہ چاک کرنے کے لئے طوفان برپا کر رہا تھا اور ایک عجلت تھی جس نے اُسکے ہاتھوں میں ایک ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ خدا خدا کر کے اُس نے لفافہ کو چاک کیا۔ خوشبو کی ایک لپٹ اُٹھی جس نے اُس کے دل و دماغ کو معطر کر دیا۔

پہلا لفظ جو اُس کی نظروں سے گذرا تھا۔ وہ یہ تھا۔

پیارے شکیل .... وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا اور اُس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چمکنے لگے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے جذبات سے مجبور ہو کر لفافہ کو چوم لیا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ لفافہ کو اپنے لبوں سے جُدا ہی نہ کرے۔ مگر کوئی دوسری طاقت تھی جس نے فتح پائی اور اُس نے خط کو پڑھنا شروع کیا۔

"مجھے معاف کرنا میں نے بھائی کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ تم دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم مجھے چاہتے تھے اور میں تمھیں۔ لیکن واقعات کو کیا کروں جنھوں نے میری مرضی کے خلاف ایک ایسے شخص کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو دنیا کا ذلیل ترین انسان ہے جس کے نزدیک عورت محض ایک آلۂ تفریح ہے اور جو محبّت کو ایک بے معنی لفظ خیال کرتا ہے تم متحیّر ہو گے کہ میں کیا لکھ رہی ہوں لیکن نہیں یہ ایک واقعہ ہے۔ یاد رکھو کہ نکاح نام ہے ایجاب و قبول کا۔ میں بچپنے ہی میں تمھیں قبول کر چکی ہوں اور تم مجھے۔ لہذا در حقیقت میں تمھاری ہوں۔ تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ اب تک تمھاری محبت میرے دل میں اسی طرح ہے۔ کاش تمھارا بھی یہی حال ہو جواب ضرور اور جلد دینا میں بے چینی سے منتظر ہوں۔

"تمھاری" "جمیلہ"

شکیل کی مدت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ بے چین ہو گیا۔ اُس نے

خط کو بار بار پڑھا مگر اُس کو سیری نہ ہوئی۔ اب اُس کا دل ایسا بحرِ ذخار تھا جس میں ہزارہا آرزوئیں موجزن تھیں وہ خیال کرتا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی حسین ہستی نہ ہوگی جس کے دل میں میری محبت کا سمندر لہریں مار رہا ہو۔ اُس کا دل مسرت سے اُچھل رہا تھا جس سے صدائیں آرہی تھیں کہ جمیلہ میری ہے اور میں جمیلہ کا لیکن یکایک اس خیال سے کہ وہ ایک غیر شخص سے وابستہ ہو چکی ہے۔ کانپ گیا اور اپنے جذبات پر غالب آکر اُس نے خاموشی اختیار کرلی غرضکہ دنوں سے ہفتوں اور ہفتوں سے مہینوں گزر گئے لیکن وہ جمیلہ کے گھر نہیں گیا اور اپنے جذبات کو برابر دبانے کی کوشش کرتا رہا اس دوران میں اتفاق سے اُسکے ایک عزیز کے یہاں تقریب تھی جس میں اس کو بھی جانا پڑا۔ اور جب وہاں جمیلہ کا سامنا ہوا تو اُس نے نہایت اطمینان سے ایک اور خط اُس کو دیا جسے شکیل نے رکھ لیا اور واپس آکر پڑھا تو لکھا تھا کہ۔

پیارے شکیل۔ غالباً تم میرے خط سے ناراض ہو گئے ہو گے لیکن یہ تمھاری غلطی ہے۔ عورت کا دل کسی کے قابو کا نہیں ہے۔ تم خیال کرتے ہو گے کہ اصولاً مجھے اپنے شوہر سے محبت کرنا چاہیے تھی، لیکن نہیں محبت ایک ایسی قوت ہے جو اِس طاقت کے زیر اثر نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ بدرجۂ مجبوری نہ برضائے خود۔ مگر کیا کروں کہ میرا ضمیر اس کے لیے خوشی سے تیار نہیں۔ اگر مجھے کسی کا خیال ہے اور میں کسی کی طاعت کرسکتی ہوں تو وہ تم ہو۔ یاد رکھو کہ میں تمھیں پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ آہ۔ میں کوشش کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

علاوہ اس کے میرا خط لکھکر تمھارے جذبات کا اُبھار دینا یہ ایک ایسا اخلاقی جرم ہے جسکی تلافی کا بھی امکان نہیں۔ مگر کیا کروں کوئی طاقت ہے جو مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں تم کو بھلانا چاہتی ہوں مگر تمھارا تصور نگاہوں سے دور نہیں ہوتا۔ کیا تم مجھ سے اس لئے نفرت کرتے ہو کہ میرے تعلقات زن و شوہر کے قائم نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہے تو سنو محبت معصیت سے بہت دور ہے اور محبت کی آزمائش کا یہی موقع بہت نازک ہے۔ گو ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہیں لیکن روحانی تعلقات کے لحاظ سے ہم میں جو قرب ہے اُسے اپنے دل سے پوچھو اور خدا کے لیے اپنی ناراضی کو دور کر دو۔

تمھاری "جمیلہ"

یہ تھا جمیلہ کا دوسرا خط جس کے بعد شکیل کا رنگ ہی اور ہو گیا اور وہ رات دن جمیلہ کے خیال میں محو رہنے لگا۔ اول اول تو اس نے اس مہلک جذبے کو مغلوب کرنے کی کوشش کی لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ ایسے جذبات پر غالب آنے کی کوشش کیا کرتے ہیں وہی اُس جنگ میں زیادہ ناکام رہتے ہیں۔ چنانچہ شکیل کا بھی یہی حشر ہوا کہ اسے ایک منٹ کے لیے بھی جمیلہ کے روح فرسا خیالات سے نجات نہ ملتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا کہ جمیلہ سایہ کی طرح ساتھ ہے۔ وہ گھبرا کر کسی درخت سے لپٹ جاتا۔ اور ڈاڑھیں مار مار کر روتا یا باغوں کی تاریک اور گھنی جھاڑیوں میں گم ہو جاتا لیکن جمیلہ کا خیال کہیں اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ آخر کار اُس نے اپنے جذبات سے مغلوب

ہو کر ایک دن مجبوراً قلم اُٹھایا اور خط لکھنا شروع کر دیا۔

"جمیلہ! واقعات حائلہ کے بعد گو حقِ تخاطب چھن جاتا ہے لیکن مجھے چونکہ ایک دوسری نسبت کا بھی فخر حاصل ہے اس لئے اتنی جسارت کرتا ہوں کہ اپنے قلبی تاثرات تم تک پہونچا دوں۔ لہٰذا اسنو۔ تم غلطی پر ہو۔ خدا نے تم کو ایک دوسری ہستی کے لئے ودیعت کر دیا ہے۔ تم کو ہر ممکن طریقہ پر اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنے شوہر کی طاعت کرنا چاہئے۔ اس دوران میں گو مَیں تم سے دور رہا لیکن تمھارے دلگداز خیال سے ہمیشہ قریب رہا۔ اگر میں چاہتا ہوں کہ وہ روحانی تعلقات جو تم نے مجھ سے قائم کئے ہیں اپنے شوہر کے لئے وقف کر دو اس لئے کہ یہی ایک شریف عورت کا شیوہ ہے اور خود کو برباد و قربان کر دینے کا نام مروّت نہیں۔ بلکہ کھلی ہوئی حماقت ہے۔ سوچو، سمجھو۔ غور کرو اور ان تمام لغویات کو چھوڑ کر انسان بنو۔ آئندہ تمھیں اختیار ہے۔

"ایک ناکام"

خط لکھنے بعد لفافہ میں بند کیا اور پوشیدہ طریقہ سے دے آیا۔ اس کے بعد اُس نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ وہ کتابوں کا کیڑا بن گیا۔ اُن کے مطالعہ اور مصوری، نیز دیگر اشغال سے اُس نے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو دبانا چاہا لیکن اُس کی یہ سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔

ایک ماہ کے بعد جب وہ جمیلہ کو دیکھنے گیا تو اُس نے ایک خط اُس کو

لکھا

پھر دیا جو جمیلہ نے اُس کے جواب میں لکھ رکھا تھا جب وہ مکان واپس آیا تو اُس نے پڑھنا شروع کیا۔

ظالم شکیل۔ تم نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے لئے اگر میں یہ کہوں کہ مجنوں کی بڑ سے زیادہ نہیں تو بُرا نہ ماننا۔ تم مجھے نصیحت کرتے ہو کہ کہ میں تم کو بھول جاؤں۔ مگر ذرا اپنے دل کو سمجھاؤ اور پہلے اُسے میرے خیال سے متنفر کر دو۔ آہ تم مرد ہو کر آزاد ہوتے ہوئے بھی جب میرے خیال اور میری محبت کو ترک نہیں کر سکتے تو میں کس طرح تمہیں بھول جاؤں۔ سنو۔ یہ بات انسان کے بس کی نہیں ہوتی۔ محبت خواہ مجازی شکل میں ہو یا حقیقی شکل میں۔ اپنے اثر و تاثیر کے لحاظ سے یکساں ہوتی ہے۔ مجاز میں اگرچہ اس کو اسباب و علل کا محتاج تصور کیا جاتا ہے لیکن یہ ایک فریب ہے محبت یا عشق بذاتِ خود ایک لطیف جذبہ ہے۔ دل جب لذت یاب محبت ہو جاتا ہے تو محب و محبوب دونوں میں میلان کشیدگی کا ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ سے خیالِ یار اگر نشاط افزا معلوم ہوتا ہے تو کبھی باعث اضطراب بھی بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ میں اگر اپنے لئے کوئی تغیر یا فیصلہ کرنے کی کوئی قدرت و طاقت ہوتی تو برسوں اس کوفت و پریشانی میں سکون کے ساتھ نہ گزار دیتی۔ آہ! تمہارے بغیر میری زندگی وبال۔ میرا افسانۂ حیات نامکمل۔ میرا وجود بیکار تمہاری یاد تمہاری روح افزا یاد۔ میری بیقراریوں کا سکون۔

میرے اضطراب کی راحت۔ اور بےچینیوں کی تسکین ہے۔ تمہارا دیدار جنت نما دیدار میری بےقراریوں کا قرار ہے۔ آؤ۔ اور دیکھو میرے ارمان بھرے دل کی خستہ حالی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ میری بیقراریوں کا منظر ہے اور میری نظر محبت تمہاری تصویر مسرت کی پرستش میں محو ہونے کو بیقرار ہے۔

تمہاری "جمیلہ"

یہ تھا وہ خط جس کے پڑھنے کے بعد شکیل کی عجیب حالت ہوگئی اور وہ بالکل مغلوب ہوگیا یہاں تک کہ اب وہ پوشیدہ طور پر آنے جانے لگا۔ جمیلہ نے شکیل کی بے اعتنائیوں پر کوئی توجہ نہ کی اور نہ کوئی شکوہ کیا۔ اُس نے ایک دن شکیل سے کہا کہ تم کو محبت کا تجربہ نہیں۔ محبت ایک لطیف اور پاکیزہ جذبہ ہے جس کو دنیا کی کثافتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ خیر مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ تم محبت کر سکتے ہو اور مجھ سے محبت بھی کرتے ہو ورنہ میں تو تم کو ایک بیدل انسان سمجھتی تھی۔ میں خود تمہاری جیسی محبت کرتی ہوں۔ اس کو میرا دل خوب جانتا ہے۔ تم چاہے مانو یا نہ مانو لیکن میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہمارے سوز دروں کو کم کئے ہوئے ہے۔ انسان کے دکھ میں بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہے۔ اور دل و جگر کی شورشیں اس کے لئے سرمایۂ حیات بن جاتی ہیں۔ جمیلہ کے ان فقروں میں نہ جانے کون سا جادو تھا کہ شکیل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ شکیلہ نے اُس کے آنسو اپنے دوپٹہ کے آنچل سے پاک کئے اور

پیشانی چوم کر کہا "یہ کیا"؟

شکیل نے جواب دیا "کچھ نہیں۔ میں اپنی شامت پر رو رہا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ دیکھئے میرا مستقبل کیا رنگ لاتا ہے"۔

جمیلہ نے جواب دیا "ان توہمات کو دل سے دور کر دو۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور سب کچھ بھول جائیں گے"۔ لیکن نہ معلوم شکیل کی طبیعت کیوں اُمڈی چلی آتی تھی وہ برابر رویا کیا اور جمیلہ نے بھی کچھ مناسب سمجھ کر تھوڑی دیر کے لئے شکیل کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔ جب وہ خوب رو لیا تو جمیلہ نے کہا۔

"کیا محبت کا اظہار کرنے اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ میں بھی تم کو چاہتی ہوں۔ تمھاری بےچینیوں میں کمی نہیں ہوئی"۔

شکیل نے جواب دیا "ہاں بہت کچھ۔ بالخصوص تمھارے ساتھ میری زندگی کے جو بہترین لمحے گذر رہے ہیں وہ قابل قدر ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ میری زندگی صرف انھیں چند لمحوں پر مشتمل ہے اس لئے کہ جس زندگی کو میں عذاب سمجھتا تھا اُس کو تمھاری دلنوازیوں نے عین ثواب بنا دیا۔ میرے سکون قلب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس دنیا میں میں ہوں اسی میں تم بھی ہو اور مجھ سے محبت کرتی ہو"۔

اسی سلسلہ میں جمیلہ نے اس سے یہ بھی بیان کیا کہ اس کی والدہ اور اُس کے درمیان اس مسئلہ پر کافی بحث ہو چکی ہے اور تمھاری محبت کا اقرار کر لینے کے بعد اُن سے یہ بھی کہہ دیا کہ میری زندگی کی تباہی کا باعث آپ ہی

لوگوں کی ذات ہے۔ لہٰذا وہ کسی وقت بھی اپنے خاندان کی عزت و حرمت رکھنے کی ذمہ دار نہیں۔" اسی سبب سے اُس کے والدین کو شکیل کی طرف سے کچھ اشتباہ پیدا ہو گیا آخر کار دونوں کی یہ گرویدگی چھپ نہ سکی اور یہ واقعہ شکیل کے والدین تک بھی پہنچ گیا جس کی وجہ سے وہ سخت مصائب میں مبتلا ہو گیا لیکن شکیل نے

دیکھ کر محشر کے دن دنیا کی بے پروائیاں
لے لیا خود اپنے سر قاتل پہ جو الزام تھا
(شعلہ)

بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ اگر وہ چاہتا تو حقیقت حال کہہ کر اپنی پوزیشن صاف کر سکتا تھا مگر اُس نے ایک شادی شدہ عورت کی تباہی کسی طرح منظور نہ کی جس کے لئے وہ خود بھی دن رات بےچین رہا کرتا تھا۔ لیکن ان دونوں کی یہ محبت تمام نفسانی خواہشات سے بالکل پاک تھی حالانکہ اس دور میں اس کو ایسے بیسیوں مواقع ملے تھے کہ اگر وہ چاہتا تو جمیلہ کی معصومیت کو باطل کر دیتا لیکن نہیں اُس نے ہمیشہ اجتناب کیا اور اگر اُسے اپنے جذبات پر قابو نہ حاصل ہوتا تو یقیناً وہ دونوں مبتلائے معصیت ہو جاتے۔ اب آنا جانا اس کا قطعی موقوف ہو چکا تھا وہ بےحد بےقرار و مضطرب رہتا کیونکہ اب یہ آگ اپنی پوری قوت سے مشتعل ہو چکی تھی وہ برابر دن اور رات کے بارہ بارہ بجے تک اس کے مکان کا طواف کیا کرتا تھا تاکہ کم از کم وہ اس فضا میں سانس ہی لے سکے جہاں جمیلہ رہتی ہے اور اگر کبھی موقع مل جائے تو وہ اس کے نقش قدم پہ سجدہ ہی کر سکے لیکن چند روز بعد اس کی رسوائی کا خیال کرتے

ہوئے اُس نے اپنے دل پر جبر کرنا شروع کیا حتیٰ کہ اس طرف آنا جانا بھی قطعاً چھوڑ دیا۔ اب شکیل کے دل پر غم کی بجلیاں ٹوٹ پڑیں اور فانی دُنیا کی تمام بلائیں پھر ایک بار ہجوم کر آئیں۔ تنہائیاں اُس کی ہم جلیس اور تاریکیاں اُس کی انیس بن گئیں۔ لب پر سکوت نوحہ زن ہونے لگا۔ اسکی گفتگو خاموشی میں کھو گئی اور اس کی تمام رعنائیاں رفتہ رفتہ رخصت ہونے لگیں۔ اُس کے دل میں آرزوئیں اُٹھتیں اور وہ اُنھیں کنج صدر میں دفن کر دینے پر مجبور کر دیتا، لیکن صورت موجودہ چونکہ روحی ہے اور اس کو جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اب وہ درد ہے۔ بے پروائے درماں۔ غم ہے بیگانۂ مسرت۔ اور اضطراب ہے بے نیاز سکون۔

تھوڑا زمانہ گذرنے کے بعد سُنائی دیا کہ جمیلہ کے والدین اُس کو بجبر حیدر آباد بھیجنا چاہتے ہیں جہاں اُس کا شوہر ملازم ہے چنانچہ ۲۶ر جولائی ۲۲ء کو وہ بھی اسٹیشن پر صرف جمیلہ کو آخری مرتبہ دیکھنے کی غرض سے گیا تھا۔ آہ! وہ بھی منظر انتہائی تکلیف دہ تھا جب گاڑی چھٹی اور جمیلہ رخصت ہوئی تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ وہ شکیل کے دل کی مالک تھی۔ وہ دیوی تھی اور شکیل اُس کا پجاری۔ وہ شمع تھی اور شکیل اُس کا پروانہ۔ اضطراب کا یہ حملہ بھی اس قدر شدید تھا کہ وہ دیوانہ معلوم ہوتا تھا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد شکیل کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی وہ سخت بیمار ہوا اور ایسا بیمار جس کے زندہ رہنے کی کوئی اُمید نہ تھی وہ حکیموں

اور ڈاکٹروں کی رائے سے بغرض تبدیل آب و ہوا اپریل ۱۹۲۷ء میں نینی تال جا رہا تھا۔ کاٹ گدام پہونچکر اُسی موٹر پر بیٹھا جس کا ڈرائیور اتفاق سے وہی جمیلہ کا پڑوسی تھا جو جمیلہ کو اسٹیشن بھی پہنچانے گیا تھا۔ شکیل نے اُسے پہچان لیا۔ حالانکہ حوادثات زمانہ نے اس میں بہت کچھ تغیر کر دیا تھا۔ اُس نے راستہ میں بہت سی باتیں جمیلہ کے متعلق اس سے معلوم کر لیں۔ کیونکہ وہ جمیلہ کی رعنائیوں اور اُس کے دلفریب حسن سے مسحور ہو کر محض اُس کے شیشۂ عصمت کو چور کرنے کی غرض سے حیدرآباد گیا تھا اور اپنی بوالہوسی کو پورا کرنے کی اُس نے ایک آخری کوشش بھی کی تھی لیکن وہ ناکام ہی رہا۔ اتفاق سے اُس کا حال جمیلہ کے شوہر کو معلوم ہو گیا جس نے اُس کو گرفتار کرانے کی کوشش کی لیکن ڈرائیور وہاں سے فرار ہو گیا۔

شکیل جب ساتھ ماہ بعد اکتوبر میں نینی تال سے لکھنؤ واپس آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ جمیلہ کے شوہر نے باہمی ناتفاقیوں اور آئے دن کی شکر رنجیوں کے باعث جمیلہ کو طلاق دیدی۔ شکیل پر اس انقلاب کا کوئی اثر نہیں ہوا اس لئے کہ اس میں اب وہ وارفتگی نہ تھی کیونکہ اس کی مایوسیوں اور حسرتوں نے اُس کو ہمیشہ کے لئے اس میں محو کر دیا تھا۔ لیکن جب شکیل کو چند روز بعد یہ معلوم ہوا کہ اب وہ ایک مشہور طوائف کے پاس بوبازار اسٹریٹ کلکتہ میں اپنی زندگی کے دن گذارتی ہے تو وہ یہ سنکر کانپ گیا اور اُس کے جسم کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی اور اُس کو جمیلہ کی بربادیوں کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اُس نے نہایت پُردرد لہجہ میں ایک سرد آہ بھرتے ہوئے گنگنانا شروع کیا۔

"آہ - یہ ہے کمسنی کی شادی حسن شوہر۔ اور اُس کے والدین کے غلط انتخاب کا نتیجہ جس نے جمیلہ کو تباہ کرنے کے علاوہ ایک شریف اور معزز خاندان کی عظمت و حرمت کو بھی برباد کر دیا۔ لعنت ہے اس ناعاقبت اندیش طبقہ پر جو شادی کی وقتی مسرتوں اور بیجا اغراض کو مدنظر رکھ کر لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگیوں اور خاندانی عزت و وقار کو قربان کرنے کے باعث ہوتے ہیں اور زن و شوہر کی طبیعت، عادات و اطوار کا بالکل لحاظ نہیں کرتے اور نہ نتائج ہی پر کبھی غور کرتے ہیں۔"

غرضکہ شکیل نینی تال سے واپس آنے کے بعد ڈیڑھ ماہ لکھنؤ میں رہا اور دسمبر میں کلکتہ پہنچا۔ اپنے ایک دوست مسٹر طاہر کے یہاں قیام کیا۔ اتفاق سے طاہر کو اُس دن کچھ ضروری کام تھے - لہذا اُس نے شکیل سے اجازت لے کر شام تک اپنے تمام ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر لی - شام کو جب وہ مکان واپس آیا تو دیکھا کہ شکیل ایک تصویر بنانے میں مشغول ہے وہ متحیر ہو گیا کیونکہ تصویر ایک حسین عورت کی تھی جو مسکرا رہی تھی - شکیل نے اُس کے جذبات محض پنسل سے ظاہر کئے تھے اور بغیر کسی رنگ و روغن کے اس میں ایک خاص دلکشی پیدا کر دی اور تمام جذبات نسوانی کو کاغذ پر ظاہر کر دیا تھا۔ طاہر نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

"یہ تصویر اصلی ہے یا محض خیالی ---" شکیل نے جواب دیا۔ "اصلی"۔

"کیا تمہارے پاس اِس کا فوٹو ہے؟"

"جی ہاں - ہے لیکن میرے دل میں اور یہ میری زندگی کا ایک راز ہے جو کچھ دیر بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا" - دونوں دوست کپڑے پہن کر تیار ہوئے اور ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر سیدھے بَوبازار پہونچے جو کلکتہ کا "بازارِ حسن" کہا جاتا ہے ٹیکسی ایک مقام پر رُکی - دونوں نے اُتر کر جمیلہ کا مکان تلاش کیا اور ایک کمرہ پر چڑھ گئے - کمرہ کا فرنیچر نہایت بیش قیمت تھا اور مغربی طریقہ پر آراستہ تھا - سامنے صوفہ پر ایک سترہ سالہ حسین عورت بیٹھی تھی اور پاس ہی صوفے پر ایک اور شخص متمکن تھا - اُس نے شکیل اور طاہرہ کے پہنچتے ہی نظر اُٹھائی اور بیساختہ شکیل کہہ کر دوڑی اور بغل گیر ہو گئی - طاہر نے غور سے دیکھا تو اُس کی صورت ویسی ہی تھی جیسی کہ شکیل نے اپنی بنائی ہوئی تصویر میں ظاہر کی تھی کیونکہ تصویر میں اور اُس میں کوئی فرق نہ تھا - جمیلہ نے پوچھا -

"شکیل تم کہاں ؟"

"تمھارے پاس"

"کب آئے"

"آج"

وہ دونوں کو ایک دوسرے کمرہ میں بٹھا کر اُس شخص کو رخصت کرنے چلی گئی کیونکہ وہ اُس کے پاس ملازم تھی - واپس آکر نہایت خاطر سے پیش آئی - تھوڑی دیر کمرہ میں خاموشی طاری رہی اس کے بعد جمیلہ نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں روتے ہوئے کہا -

"شکیل میں اب بھی تمھارے قدموں میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار

ہوں۔ گو میں اب ایک بازاری عورت ہوں اور تمھارے پاک اور معصوم پہلو کی زینت ہونے کے لائق نہیں۔ لیکن میں اب بھی تم سے محبت کرتی ہوں اور التجا کرتی ہوں کہ تم میری دلی تمنا مسترد نہ کروگے"
شکیل کی آنکھیں نمناک ہوگئیں لیکن وہ ایک تلخ انداز سے ہنسا اور کہنے لگا۔

"ہاں میں بھی تمھیں چاہتا ہوں لیکن اس فضا میں کبھی نہیں دیکھنا چاہتا جس میں دیکھ رہا ہوں۔ آہ! جنت کے پھول کو جہنم میں ڈالنے کے ذمہ دار تمھارے والدین ہیں۔ میں تم کو بےگناہ سمجھتا ہوں تم میرے دل کی ملکہ ضرور ہو لیکن الحمدللہ کہ میرا دل ہر آرزو اور ہر تمنا سے خالی ہے اس میں صرف ایک موجودہ درد ہے جس کی لذت وحلاوت کو بیان کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ میں مجبور ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم بھی اس خیال کو اپنے دل سے نکال ڈالوگی اور جو کچھ میں کہوں گا اُس پر عمل کروگی"
شکیل اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا اور اُس نے جمیلہ کے چہرے پر نظر کی تو وہ نہایت غمگین نظر آرہی تھی اُس نے پھر کہنا شروع کیا۔
"اپنی زندگی کے اس دور کی جہاں تک تم غیر ذمہ دار ہو وہاں تک تم پر ایک ذمہ داری بھی عاید ہوتی ہے۔ اب تم اپنے والدین سے یا مجھ سے انتقام لینے کے بجائے اپنی تاریکیوں کو منور کردو اور اس حسن فروشی کی دکان کو بڑھا کر حسن کی معصومیت کو مجروح نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ دخل اندازی بھی قطعاً بےمعنی ہے لیکن تم جانتی ہو کہ مجھ سے زیادہ ذمہ دار اس انقلاب کا

اور کوئی دوسرا بھی نہیں ہو سکتا تمہارے دل میں پندارِ حُسن اور احساس عشق پیدا کرنے والا میں ہوں اور آج میرے ہی ہاتھوں تم کسی سے وابستہ ہو جاؤ گی۔ تم مجھ کو اور میں تم کو صبر کر چکے۔ اب اگر اس کے بعد میں تم کو اپنے ہاتھ سے کسی کے سپرد کر دوں تو کیا جمیلہ تم انکار کرو گی۔ میں یہاں آکر پہلی نظر میں تمہارے شوہر کا انتخاب کر چکا ہوں۔ تم سمجھ گئی ہو گی۔ بولو منظور ہے نا"؟

جمیلہ جھکی اور اس کے چہرے پر وہی معصومیت پیدا ہو گئی گویا فطرت نے اس کو از سرِ نو دوشیزہ بنا دیا۔ اسکی آنکھوں سے انفعال اور محبت کے دو آنسو بیک وقت گرے اور وہ ہچکیاں لیتی ہوئی شکیل کی آغوش میں گر پڑی اور رک رک کر کہنے لگی۔

"ہاں۔ مجھے منظور ہے جو کچھ تم کہو گے اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ میں تمہاری تھی تمہاری رہی اور تمہارے ہی لئے تباہ و برباد ہوئی۔ اب تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم مجھ کو ٹھکرا رہے ہو۔ میں اسی کو بہت کچھ سمجھتی ہوں کہ تم اپنے ہی ہاتھوں اپنی چیز کو کسی کے سپرد کر دو"

دوسرے دن طاہر کی جائے قیام پر رشید کے ساتھ جس کی وہ ملازم تھی جمیلہ کا عقد کر دیا گیا اب وہ پھر شریفانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ خدا نے اس کو دو بچے بھی دئے جس میں لڑکی کی عمر چار سال اور لڑکے کی عمر تقریباً دو سال ہو گی۔

چند روز بعد شکیل بھی لکھنؤ واپس آگیا۔ اس نے اپنی شادی نہیں کی اور نہ وہ آئندہ کے لئے تیار ہے اس لئے کہ اس کا خیال ہے کہ "فطرت نسوانی غور و فکر سے بالکل بے نیاز ہے وہ صرف اسی ماضی کی قائل ہے جو حال سے وابستہ ہو

ورنہ محض حال سے متاثر ہوتی ہے۔ ماضی و مستقبل اُس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ گزری ہوئی زندگی کے نقوش اگر وہ حال سے بیگانہ ہیں تو اُس کے دماغ سے محو ہو جاتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ گزری ہوئی محبت کو ایک افسانہ سمجھ کر بہ آسانی بھول سکتی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں کئی بار محبت کر سکتی ہے۔ ان جذبات کے ساتھ گویا کہ یہ اس کی پہلی محبت ہے۔ لیکن مرد اپنے ماضی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے وہی اس کا سرمایۂ حیات ہے۔ اس کی مایوسیاں اور اُس کی حسرتیں ہمیشہ کے لئے اپنے ماضی میں محو کر دیتی ہیں۔ وہ کسی سے دوبارہ محبت نہیں کر سکتا اور اگر کرتا بھی ہے تو وہ محبت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود مجبور کئے جانے کے بھی اُس نے ہمیشہ شادی سے انکار کیا۔

آج جبکہ میں اس روداد محبت کو قلمبند کر رہا ہوں وہ ایک ایسی آخری تصویر بنا چکا ہے جس میں وہی لڑکی ایک معصوم بچے کو گود میں لئے ہوئے ہے اور ایک کمرے کے دروازہ کے پاس نہایت حسرتناک اور مغموم صورت بنائے جو اُس کے دل کا راز بُری طرح کھول رہی تھی کھڑی ہے اور اُس کے نیچے لکھا ہے سہ

"سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری"۔

ہلالِ عید

"آخر تم اس قدر بے پرواکیوں ہو۔ کیا اندھے ہو گئے تھے جو اچکن پھٹ گئی"؟

یہ تھا وہ فقرہ جو سعید کی بیوی رابعہ نے گرجتی ہوئی آواز سے کہا۔ جسے سُن کر غریب سعید کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور وہ آسمان کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اُس کی ازدواجی زندگی میں یہ آج پہلی عید تھی۔ وہ عیدگاہ سے نماز پڑھ کر واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک بائیسکل سے ٹکرا گیا اور اُسکی نئی اچکن پھٹ گئی جو رابعہ کے والد نے بنوا دی تھی۔ رابعہ کی جھڑکیوں کا سبب یہی تھا کہ وہ سعید کے روپئے سے نہیں بنی تھی۔

سعید ایک غریب گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور والدین کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اُن کی تمام آرزوؤں کا مرکز تھا مگر افسوس کہ اُن کی تمام تمنائیں اور حسرتیں اُن کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں۔ اور وہ سعید کو آٹھ برس کا چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ یتیم ہونے کے بعد سعید کا دنیا میں سوائے اُس کے ماموں کے دوسرا کوئی ایسا عزیز نہ تھا جو اُس کی پرورش کرتا اور اُس کی تعلیم و تربیت

کا خیال رکھتا لہذا اُس کے ماموں امیر احمد نے اُس کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور اُس کی تعلیم و تربیت کا اپنے بچّوں کی طرح خیال رکھنے لگے۔

امیر احمد جن کا شہر کے معززین اور متمول لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا تحصیلدار تھے اور بہت خلیق اور نیک نفس تھے۔ چند سال کے بعد جب سعید انٹرنس کے امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اُنھوں نے اپنی لڑکی رابعہ کی شادی سعید کے ساتھ کر دی جو اُن کی اکلوتی بیٹی تھی۔ سعید اس شادی سے مسرور نہ تھا اس لئے کہ اُس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا جو اُس کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا۔ وہ اسکے رابعہ کا اخلاق اور اُس کی بدمزاجی نے اُس کی زندگی کو تلخ بنا دیا تھا اور وہ بسا اوقات اس ازدواجی زندگی سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر سوچا کرتا تھا جو اُس کے لئے جہنم سے کسی طرح کم نہ تھی لیکن وہ مجبور ہو جاتا تھا محض اس لئے کہ اُس کے ماموں اور ممانی کے احسانات اور اُن کا بچپن سے اس وقت تک کا برتاؤ ایسا نہ تھا جسے وہ کسی طرح فراموش کر دیتا۔

اس میں شک نہیں کہ رابعہ نہایت حسین تھی اور اُن تمام جسمانی خصوصیات کی مالک تھی۔ جنھیں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے دوسروں کو کم عطا کیا تھا۔ اُس کا حُسن دلکش مہتاب کو شرماتا تھا اور وہ اپنی سہیلیوں میں ایسی دلفریب معلوم ہوتی تھی جیسے تاروں بھری رات میں چاند لیکن اس حُسن نے اُسے اتنا مغرور کر دیا تھا کہ وہ سعید کی بھی کوئی عزت نہ کرتی تھی۔ اُس کی طبیعت میں کافی فساد کا مادہ موجود تھا جس کی وجہ سے گھر کے تمام لوگ ناراض

رہتے تھے۔ اور خاص کر سعید تو اسی وقت سے اُس کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا جب سے کہ اُس نے اِس گھر میں رہائش اختیار کی تھی۔ وہ کبھی کبھی طنزاً اپنے والدین کے احسانات کا تذکرہ بھی کر کے سعید کا دل دکھایا کرتی جس سے اس کو بہت زیادہ صدمہ پہنچتا اور اکثر اوقات اُس کے آنسو نکل آتے لیکن وہ کبھی اس کے جواب میں کوئی ایسا کلمہ نہ نکالتا تھا جس سے رابعہ یا اُس کے والدین کو تکلیف پہنچتی حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اُس کے ماموں اُس کی ناجائز باتوں کا بھی اثر نہ لیں گے اس لئے کہ وہ خود رابعہ کی عادات سے عاجز آ چکے تھے اور اُس کی حالت کو سُدھارنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ فلک پر شفق نے ایک دلربا منظر پیدا کر دیا تھا۔ شہر کے تمام لوگ عید کی مسرتوں سے ہم آغوش ہو رہے تھے۔ تھیٹر سینما اور سیرگاہوں میں تِل رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ گھر گھر خوشیاں تھیں کہیں طرب و نشاط اور کہیں رقص و سرود کی مجالسیں گرم تھیں۔ اس کے برعکس عیش و عشرت سے دور سعید اپنے گھر میں بیٹھا ہوا آہ و زاری میں مصروف تھا۔ اس کا قلب و جگر جذبات غم سے لبریز تھا اور صبح کے گزرے ہوئے واقعہ پر غور کر رہا تھا کہ اپنے مستقبل پر کوئی رائے قائم کر سکے۔ رات کی خاموش فضا میں اُس کا قلب لرزاں ستاروں کی ہمدردی کا جویاں تھا مگر وہ اُن کی ہمدردی سے محروم تھا۔ دفعتاً اُس کا چہرہ کسی خیال سے تمتما اُٹھا اور وہ خاموش مکان سے نکل کر اسٹیشن پہنچا اور بنارس کا ٹکٹ

لے کر گاڑی پر بیٹھ گیا۔ بنارس پہنچکر کئی دن سعید فکر معاش میں پریشان رہا۔ اور آخرکار کچھ عرصہ کے بعد اُسے کئی نوکریاں رئیسوں کے بچوں کو پڑھانے کی مل گئیں جس سے اُس نے اپنے خورونوش کا انتظام کیا۔ اور کسی قدر اطمینان ہوجانے کے بعد اُس نے اپنی تعلیم کا بھی انتظام کرلیا۔

چند ماہ گزرنے کے بعد ایک دن وہ صبح کو دریا کے کنارے ٹہلتا ہوا جارہا تھا کہ دفعتاً اُس کی نگاہ دریا کی جانب اُٹھ گئی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک چھوٹی کشتی پانی میں اُلٹ گئی ہے اور دو آدمی غوطے کھارہے ہیں۔ ڈوبنے والوں میں ایک مرد تھا دوسری عورت چیخ و پکار سُن کر سعید کا دل لرز گیا۔ وہ ضبط نہ کرسکا اور فوراً پانی میں کود کر عورت کی طرف بڑھا جو ڈوبنے کے قریب تھی۔ سعید کو دیکھ کر ایک دوسرے ملاح نے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔ اور دوسرے آدمی کو نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ ملاح نے اُس آدمی کو نکال کر ہوشیار کیا لیکن عورت کو کسی طرح ہوش نہیں آیا سعید سخت پریشان تھا کہ اب کیا تدبیر کرے کہ دفعتاً پشت پر سے آواز آئی۔

"میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میری بیوی کی جان بچائی۔ اب آپ اتنی زحمت اور کیجئے کہ میرے مکان چلے جائیے۔ اور وہاں سے فوراً موٹر بھیجدیجئے۔ اور خود ایک ڈاکٹر بلاکر میرا انتظار کیجئے"

یہ کہہ کر اُس نے جیب سے ایک بھیگا ہوا کارڈ نکال کر سعید کو دیا، جس پر انگریزی میں "سیٹھ ہاشم علی جوہری" اور اُس کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ سعید کارڈ لے کر فوراً سیٹھ صاحب کی کوٹھی پر پہونچا اور تمام واقعہ دربان

سے دوہرایا۔ دربان نے فوراً اندر خبر کی منشی جی گھبرا کر کوٹھی سے باہر آئے اور سعید سے سارا حال معلوم کر کے موٹر لے کر دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ سعید نے ڈاکٹر کو بلوایا اور ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر کے بعد موٹر واپس آگیا۔ سیٹھ صاحب مع اپنی بیہوش بیوی کے کوٹھی میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے مریضہ کو دیکھا اور اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"کوئی خوف کی بات نہیں ہے اگر پیٹ سے پانی نہ نکال دیا گیا ہوتا۔ تو بیشک اندیشہ تھا۔"

سعید ایک کونہ میں خاموش کھڑا ہوا تھا وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ اسکی تدبیر کارگر ہوگئی۔ اس نے خیال کیا کہ اب میرا یہاں ٹھہرنا بیکار ہے لہذا وہ چپ چاپ کوٹھی سے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی اس نے نصف میل راستہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ سیٹھ صاحب کا موٹر قریب آکر رک گیا اور منشی جی نے سعید کو مخاطب کر کے کہا۔

"آپ بغیر اطلاع کئے کیوں چلے آئے۔ چلیے سیٹھ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"کیوں خیریت تو ہے"؟

"ہاں سب خیریت ہے۔"

"پھر میں جا کر کیا کروں۔"

"اس لئے کہ آپ کو بلایا ہے۔"

"کیوں"؟

"یہ میں کچھ نہیں جانتا چلیئے، جلدی موٹر میں بیٹھیے"

"لیکن میں تو بالکل بھیگا ہوا ہوں"

"کوئی حرج نہیں۔یوں ہی بیٹھ جائیے میں بغیر آپ کو لئے جا نہیں سکتا" سعید مجبوراً موٹر میں بیٹھ گیا۔اور چند منٹ کے بعد کوٹھی پہنچ گیا سیٹھ جی نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"معاف کیجیے گا۔میں مریضہ کی بیہوشی سے پریشان تھا۔اور ڈاکٹر کی باتوں میں اس قدر مصروف ہو گیا تھا کہ آپ سے اچھی طرح بات بھی نہ کر سکا۔ اور نہ آپ کا شکریہ ہی ادا کر سکا"

"میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کا شکریہ ادا کیا جائے"

"واہ، شکریہ کی بات کیوں نہیں۔آپ کی وجہ سے میری شریک زندگی کی جان بچی۔اور خود میں بھی آپ ہی کی وجہ سے صحیح وسالم ہوں۔اگر آپ پیش قدمی نہ کرتے تو ملاح اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ہرگز مجھے نہ نکالتا۔اور ہم دونوں غریق دریا ہو جاتے۔آپ کا اسم مبارک"؟

"مجھے سعید کہتے ہیں"

"دولت خانہ"؟

"میں ایک غریب طالب علم ہوں اور وہ بھی پردیسی۔میرا غریب خانہ کہاں"؟

وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ جواب سُن کر سیٹھ ہاشم علی کا دل دُکھ گیا اور اُنھوں نے اصرار کیا کہ سعید

اپنے واقعات کو اُن پر ظاہر کر دے چنانچہ سعید نے بمشکل اپنے حالات شروع سے آخر تک بیان کئے جنھیں سُن کر سیٹھ صاحب کافی متاثر ہوئے اور اُس کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ اُس کے فوراً کپڑے تبدیل کرائے اور مردانہ کمرے میں اس کو آرام سے بٹھایا۔ جو بہت تکلّف کے ساتھ آراستہ تھا۔ دیواروں پر چاروں طرف خوبصورت تصویریں آویزاں تھیں۔ قیمتی قالینوں کا فرش تھا اور کمرے کی ہر چیز سے ریاست اور نفاست ٹپک رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اُنھوں نے سعید سے کہا۔

"سعید میاں، تم نے ایسے نازک وقت میں میری امداد کی ہے جس کا صلہ میں کسی صورت سے نہیں دے سکتا۔ تاہم میں تمھاری ہر طریقے سے امداد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں گا تم اُسے قبول کر لو گے۔"

"مجھے کسی کی امداد کی ضرورت نہیں البتہ اگر رہنے کے لئے اُس وقت تک کہ میں تعلیم کو پورا نہ کر لوں۔ مجھے کوئی علیحدہ مکان دیدیا جائے تو میں آپ کا بہت شکر گزار رہوں گا۔"

"تم جوان ہو، تمھارے لکھنے پڑھنے کا وقت گیا۔ اور پڑھ لکھ کر کرو گے کیا۔ یہی نا کہ نوکری چاکری کرو۔ اس سے تو بہتر ہے کہ تم میرے پاس رہو۔ میں تم کو ایسا علم سکھاؤں گا کہ ایم اے۔ بی اے۔ تمھاری نوکری کریں گے۔ اگر خدا کا فضل شامل حال ہوگا تو دو برس کے اندر اندر تم بڑے آدمی ہو جاؤ گے البتہ تمھیں تھوڑے دن محنت کرنا پڑے گی۔"

"میں محنت سے تو بھاگتا نہیں لیکن تجارتی اصول سے بالکل ناواقف ہوں اور جواہرات کی شناخت تو مجھے بالکل نہیں ہے۔"

اس کی فکر نہ کرو۔ کام سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ تم نوجوان ہو۔ ساتھ ہی ذہین بھی معلوم ہوتے ہو۔ پہلے میں بھی تمہاری ہی طرح تھا۔ صبح کو میری دکان پر آؤ۔ وہیں تمہارے رہنے کا انتظام کر دیا جائے گا۔ کھانا کپڑا تم کو گھر سے ملے گا اور دکان کے منافع میں تم کو سر دست ایک آنہ روپیہ دیا جائے گا۔ سمجھے۔ اچھا جاؤ۔ اب کل صبح کو ضرور دکان پر آجانا اور اپنا تمام سامان بھی لیتے آنا۔"

سعید سلام کر کے سیٹھ ہاشم سے رخصت ہوا۔ پھاٹک پر موٹر ٹھہرا ہوا تھا۔ نوکر نے دروازہ کھول کر آواز دی "آئیے"۔

وہ مکان کا پتہ بتا کر موٹر پر بیٹھ گیا۔ اب اُس کا دل محشرستان جذبات بنا ہوا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ کل صبح سے میری زندگی میں نیا دور شروع ہو جائے گا۔ اب میں کسی کا دست نگر نہیں رہوں گا۔ بلکہ خود اپنی معاش پیدا کرنے کے قابل ہو جاؤں گا اور جس طرح میں آج تک دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا اسی طرح چند روز کے بعد دوسروں کی خود مدد کر سکوں گا۔

مکان پر پہنچنے کے بعد وہ روزانہ کے مشاغل میں مصروف ہو گیا اور جب شب کو بستر پر لیٹا تو صبح کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ انسان کو ہمیشہ اپنے قوت بازو اور خدا کے فضل پہ بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ آج مجھے اپنے قوت بازو سے کام لینے کا موقع ملا اور اس میں مجھے کامیابی

بھی ہوئی اگر میں ہمت سے کام لے کر دریا میں پھاند نہ پڑتا۔ تو سیٹھ ہاشم سے
سے ملاقات نہ ہوتی۔ میں نے اُن کی بیوی کے بچانے کا انعام نہیں چاہا تھا۔
لیکن انھوں نے میرے ساتھ سو پچاس کا سلوک نہیں کیا بلکہ بالکل اپنا بنا لیا۔
ان ہی خیالات میں وہ اپنے معمولی بستر پر جو عنقریب مخملی گدّوں میں
تبدیل ہونے والا تھا آرام سے سو گیا۔ اور خواب میں زندگی کی اُن
کامیابیوں کا نظارہ کرنے لگا جو اُس کو قوت بازو سے حاصل ہونے
والی تھیں۔

وہ دوسرے دن سے سیٹھ ہاشم کے پاس رہنے لگا اور تمام کاروبار دیکھنے
اور سمجھنے لگا لیکن اُس نے اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ اور تین سال کے
بعد بی اے کا امتحان بھی دے دیا۔ کئی لاکھ روپیہ جو اُسے اُس کے منافع
کا ملا تھا، تعلیم کے ختم کرنے کے بعد اُس نے اپنا ذاتی کاروبار اس سے شروع
کر دیا۔ اور تین سال کے اندر ہی اندر اپنی لگاتار محنت اور اَن تھک کوششوں
کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑا تاجر بن گیا۔

سعید کو اپنی سسرال یا اپنے ماموں کے گھر سے گئے ہوئے مہینوں
نہیں بلکہ سالوں گذر چکے تھے۔ اس کی گم شدگی سے تمام گھر کے لوگ پریشان
تھے۔ تحصیلدار صاحب نے اُس کی بہت تلاش کی لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔
سعید کے یکایک غائب ہو جانے کی وجہ سے رابعہ کی طبیعت میں بھی
انقلاب پیدا ہو چکا تھا اور وہ اب حقیقی معنوں میں سلیقہ شعار۔ نیک دل۔
پاک باطن اور سنجیدہ خاتون بن گئی تھی۔ اُس کا معصوم حُسن اُس کا

نورانی چہرہ بے انتہا خوبصورتی کے باوجود پژمردہ رہتا تھا اور وہ دیوانوں کی طرح دل سے باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس کو نہ کھانے کا ہوش رہتا تھا اور نہ پینے کا۔ راتیں بیداری میں غریب شوہر کے لئے بستر غم پہ تڑپ تڑپ کر گزار دیتی تھی۔

دن گذرتے چلے گئے اور نہ جانے سعید کے جانے کے بعد کتنی عیدیں آئیں اور گذر بھی گئیں لیکن رابعہ کو کبھی مسرت نہیں حاصل ہوئی خصوصاً یہ عید تو اُس کے لیے سب سے زیادہ دردناک تھی۔ جس قدر عید قریب آتی جاتی تھی اُس کا اضطراب بھی بڑھتا جاتا تھا۔ آج رمضان کی انتیسویں۲۹ تاریخ تھی اور چاند ہونے والا تھا۔ رابعہ کے اضطراب نے اس درجہ ترقی کی کہ وہ غریب برسوں کی بیمار معلوم ہونے لگی۔ آج وہ تمام دنوں سے زیادہ مغموم تھی۔ بات بات میں اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے اور دل خود بخود بیٹھا جاتا تھا۔ وہ کبھی گھبرا کر ٹہلنے لگتی تھی اور کبھی بیٹھ جاتی تھی، گاہے اضمحلال کی وجہ سے پھر لیٹ رہتی تھی۔ جب اُسے اپنی باتیں جو سعید کا دل دکھانے کے لئے کہی جاتی تھیں یاد آجاتیں تو اُس کے جسم میں ایک خاص قسم کا ارتعاش پیدا ہو جاتا اور اُس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو گرنے لگتے۔

شام ہوئی تو روزہ افطار کرنیکے بعد اُس کی طبیعت اِس قدر سست ہوگئی کہ گھر کے تمام لوگ پریشان ہوگئے۔ اور اُس پر غشی طاری ہوگئی۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب اُسے ہوش آیا اور اپنے گرد اُس نے لوگوں کا ہجوم دیکھا

تو کہنے لگی۔

"آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ میں بالکل اچھی ہوں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آج آخری روزہ تھا اس وجہ سے طبیعت کچھ سست ہو گئی تھی۔ ذرا کسی سے دریافت کرائیے کہ چاند بھی ہوا یا نہیں۔"

"جی ہاں۔ چاند ہو گیا۔"

جواب دینے والے پر سب سے پہلے نظر رابعہ کی پڑی۔ اُس نے غور سے دیکھا کہ اُس کے بچھڑے ہوئے شوہر نے بے انتہا مسرتوں کے ساتھ گھر میں قدم رکھا۔ وہ اُسے دیکھ کر فرطِ مسرت سے اُچھل پڑی گھر کے تمام لوگ سعید کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ وہ سب سے مل کر سراپا شوق اور مجسمہ اشتیاق بنا ہوا رابعہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی رابعہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اُس کی آغوش میں گر پڑی اور رو رو کر اپنے تمام قصوروں کی معافی مانگنے لگی۔ فرطِ جذبات سے سعید کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اُس نے رابعہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور اُس کے لبوں پر مہر محبت ثبت کر دی۔

"دوسرے دن عید تھی۔"

رادھیشری

(۱)

شجاع صورت کے لحاظ سے کوئی غیر معمولی انسان نہ تھا اور صحت و توانائی کے اعتبار سے قابل رشک ہی کہا جا سکتا تھا تاہم وہ مجموعی حیثیت سے حسین و جمیل تھا اور اُس کی صورت میں ایک خاص قسم کی دلکشی بھی موجود تھی - اُس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی اور اُس کے خوبصورت بُت کی طرح سڈول اور ورزشی جسم میں ایک خاص قسم کی گدازیت اور نسائیت بھی پائی جاتی تھی جو دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی طرف ضرور متوجہ کر لیتی تھی - وہ ایک اُس نورانی مجسمہ کی نہایت خاموشی کے ساتھ پرستش کیا کرتا جو موسیقی کی تعلیم حاصل کرنے روزانہ میوزک کالج جاتا جہاں شجاع بھی اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے جایا کرتا تھا۔

اُس کو کالج میں چھ ماہ سے زائد گذر چکے تھے۔ لیکن شجاع کو اس وقت تک کوئی ایسا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ رادھیشری سے مخاطب ہوتا۔ اور نہ رادھیشری ہی نے کوئی موقع ایسا آنے دیا کہ شجاع سے خود اُسے کچھ گفتگو کرنے کا موقع ملے جس میں بڑی حد تک اُسے روکنے کے لئے

رادھیشری کا وہ جذبہ بھی شامل تھا جسے نسائیت کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ بارہا دونوں کو کالج کے متعدد جلسوں میں شرکت کرنیکا موقع بھی ملا تھا اور وہ دونوں کالج کے در و دیوار کو اپنی درد بھری اور سریلی آواز سے ماتمی بھی بنا چکے تھے لیکن اپنی طبیعت کے لحاظ سے وہ ہمیشہ نہایت خاموشی سے لطف موسیقی اُٹھاتے اور کبھی ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوتے۔ البتہ اُن کی نگاہیں صرف ایک خاموش پرستش ہو کر اگر کبھی ایک دوسرے کے چہرہ پر پڑ جاتیں تو اُن کے چہرہ کا بدلا ہوا رنگ اس مجمع میں سمجھنے کے لیئے بھی صرف اُن ہی دو ہستیوں کے سوا اور کوئی نہ ہوتا جو حقیقتاً پیام اعتراف ہوتا تھا۔

کالج کی فضا میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو اُس حسن کی پتلی سے گفتگو کرنے بلکہ ایک حد تک بے تکلف ہو جانے کا موقع نہ ملا ہو۔ خواہ وہ اُستاد ہو یا طالب علم لیکن شجاع کو بھی ابھی تک یہ عزت نصیب نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ اگر جراُت بھی کرتا تو اس خیال سے کانپ اُٹھتا تھا کہ وہ اپنی خاموشی اور اس کنارہ کشی کا آخر اس کو جواب کیا دے گا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ شجاع کے دل میں اُس پیکر حسن کا جذبہ پرستاری اور عزت و احترام اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جہاں انسان کی قوت گویائی سلب ہو جایا کرتی ہے اور وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ غرضکہ کالج کی چہار دیواری میں دونوں کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا اور اُن کو باوجود یکجا ہونے کے بھی گفتگو کرنے کی جسارت نہیں ہوئی۔ ایک دن جبکہ کالج میں سالانہ جلسہ تھا۔ اور تمام طلباء۔ پرنسپل۔ اور دیگر اُستاد موجود

تھے اور تقریب لئے جانیکے انتظام میں مصروف تھے تو رادھیشری کالج کی دیگر لڑکیوں کے ساتھ موجود نہ تھی۔ شجاع کی نگاہوں نے کالج کے گوشہ گوشہ میں اس کو تلاش کرنا شروع کیا جب وہ نہیں ملی تو آخر کار اس نے رادھیشری کی عدم موجودگی کا سبب دریافت کیا اسے معلوم ہوا کہ وہ تقریباً ایک ہفتہ سے کالج نہیں آئی اور مکان سے بھی لاپتہ ہے۔

رادھیشری کو لکھنؤ سے غائب ہوئے عرصہ ہو گیا اور شجاع کو باوجود تلاش کرنے کے بھی اس کا پتہ نہیں لگا لیکن ایک سال بعد جب اسے اخبارات اور رسائل کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ملک کی ایک مشہور فلم کمپنی کے کئی ڈراموں میں نمایاں کام کر چکی ہے اور ایک دوسرے نام سے اس نے ملک میں کافی شہرت بھی حاصل کر لی ہے تو رادھیشری کے اس انقلاب پر شجاع کو از حد تعجب ہوا اور اس کی سمجھ میں آج تک یہ نہ آیا کہ اس کے پاکیزہ خیالات میں تغیر پیدا کرنے والی اور اس مرکز سیاہ کاری میں حصہ لینے کی تحریک پیدا کرنے والی وہ کون ہستی تھی جس نے اسے فلمی زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کیا اور گھر کی شریفانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر کس جذبے نے اسے دنیائے فلم میں قدم رکھنے پر مجبور کیا۔

(۳)

شجاع ادبیات کا بیحد دلدادہ تھا اور قعر گمنامی سے نکل کر تعلیم یافتہ اور وسیع الخیال طبقہ میں ایک مخصوص عزت حاصل کر چکا تھا وہ اپنے ہمعصر ادیبوں اور انشاء پردازوں میں ایک خاص درجہ رکھتا تھا

اور اُس کی عالی دماغی اور فکر تخیل کی بلندی اور اُس کے غیر جانب دارانہ مضامین نے ملک میں ایک دھوم مچا رکھی تھی اور کوئی نگاہ ایسی نہ تھی جو رسائل و اخبارات میں اُس جمیل ادیب کے قلم کی گلکاریوں کی متلاشی نہ ہو اُس کے قلم کی گلریزیوں سے ملک کے نہ فلمی رسائل ہی مستفید ہوا کرتے تھے بلکہ ادبی رسائل کے اوراق بھی اُس کے رنگین تخیلات اور اُسکی جواہر نگار نظموں سے گلپوش رہا کرتے تھے جو سراسر "شعلہائے عشق" اور "فریاد محبت" ہوا کرتی تھیں۔

یہ عجیب دلچسپ واقعہ ہے کہ عرصہ سے ایک طرف تو اُس کی لطیف تحریریں خلائق کا مرجع نظر بنی ہوتی تھیں اور دوسری طرف ملک کے اکثر انشاپرداز اور مدیر رشک و حسد اور اُس کی خداداد ذہانت سے جلکر خاکستر ہوئے جا رہے تھے اور اُسے اپنا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے۔ پہلے تو شجاع نے اپنے دہن پر قفل سکوت لگائے رکھنا مناسب سمجھا اور اور بزبان بے زبانی ہی سے ان لوگوں کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دیتا رہا۔ آخر کار ایک عرصہ کے بعد شجاع کے وہی مضامین تشویشناک اور اور ہنگامہ خیز ثابت ہونے لگے اُس وقت جبکہ وہ اپنے مضامین اور افسانوں میں چند سطریں ان مدیروں اور مضمون نگاروں کی سرکوبی کے لئے اکثر لکھنے لگا تھا جو صحافت کو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات پر بھینٹ چڑھانے سے عار نہیں رکھتے تھے۔ خاکی پیکر کو نورانی مجسمہ سیاہ کار کو معصوم۔ اور صوم و صلواۃ کا پابند لکھدینے میں ایک لمحہ کا توقف

بھی گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ جہالت کو فضیلت، بداخلاقی کو اخلاق ثابت کرنے میں کبھی نہیں شرماتے تھے اور جن کی ارادت مند نظریں ایکٹرس کی ہر ایک ادا کو فن تمثیل نگاری کا بہترین نمونہ تصور کرنے میں ذرہ بھی پس وپیش نہیں کرتی تھیں۔ غرضکہ شجاع نے ملک کے صحافتی ناخداؤں کے متعدد حملوں کا جواب خاموشی سے دینے کے بعد مجبوراً آتش بیانی سے کام لینا اور ضمیر فروش اڈیٹروں اور انشاء پردازوں کے رازہائے سربستہ کے تار پود کو بکھیرنا شروع کیا جن کی ناپاک تحریروں سے ملک کے نوجوانوں کے اخلاق اور دنیائے صحافت کو کافی نقصان پہنچ رہا تھا لیکن افسوس کہ شجاع کے حقیقت ریز قلم کی پہلی ہی جنبش اور موقلم کی گلکاریاں اُن لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوئیں۔ جبکہ اُس نے واقعات کو قلمبند کرنا اور دنیا کے سامنے اُن کے کارناموں کو نمایاں کرنا شروع کیا۔ کیونکہ اعلیٰ قابلیت اور قوت تحریر کے فقدان کے باعث، مدیران اخبارات نے تہذیب وشائستگی کو الٹی چھری سے ذبح کرتے ہوئے ایسی اخلاق سوز جنگ کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا جس کے خیال سے ارباب اخلاق انگشت بدنداں تھے۔ چنانچہ شجاع نے اس معمولی سرکوبی کے بعد ہی خاموشی اختیار کرنا محض ملک کی اُن معزز اور مقتدر ہستیوں کی خوشنودی کے لئے مناسب سمجھا جنھیں وہ قابل احترام سمجھتا تھا حالانکہ یہ بھی حقیقت تھی کہ ان ہزل نویس مدیروں اور نامہ نگاروں کے قلموں سے اُسکی شعلہ فشانیوں کے جواب میں بجائے آب حیات رسنے کے جلتی ہوئی

گالیاں ہیں ٹپکنا ثبوت تھا اُن کی کمزوری اور اعتراف شکست کا لیکن شجاؔع کو اس کا بالکل احساس نہ تھا اور وہ فاتح ہونے کے باوجود حاسدین کی شکست کو اپنی توہین ہی سمجھتا تھا۔

(۳)

اب سے چند سال قبل شجاؔع کو کلکتہ کا سفر کرنا پڑا جہاں اُس نے رادھیشری سے پہلی مرتبہ فلمی صحافت سے تعلق رکھنے والے اپنے دو احباب کے ساتھ سرسری طور پر ملاقات کی لیکن اُس کے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اُس وقت جبکہ رادھیشری نے اُس کو بغور دیکھا اور الماری سے اُس رسالہ کو اُٹھا کر جس میں شجاؔع کی تصویر شایع ہوئی تھی اُس پر ایک غلط انداز نظر ڈالی اِس لئے کہ رادھیشری شجاؔع کے اُس نام سے واقف نہ تھی جس سے اُس نے ادبی اور فلمی دنیا میں شہرت حاصل کی تھی اُس نے تصویر سے شجاؔع کا تقابل کرتے ہوئے خاص انداز سے مسکرا کر کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانتی"

شجاع نے سُنا اور اُس کے "تجاہل طوائفانہ" کو اچھی طرح سمجھ کر احباب کی موجودگی کے سبب سے مصلحتاً خاموشی اختیار کرلی اور تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی گفت و شنید کے واپس چلا آیا۔ لیکن جب شجاع اُس سے دوبارہ ملنے کے لئے ایک ہفتہ بعد گیا تو وہ تنہا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ رادھیشری اُس دن خلاف قیاس نہایت اخلاق سے

پیش آئی اور اپنے نازک ہونٹوں پر ایک خفیف تبسم پیدا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں آپ کو حقیقتاً اس سے زائد نہیں جانتی کہ آپ ملک کے ایک قابل ادیب ہیں۔ کیا آپ اپنا تعارف کرا سکتے ہیں"؟

شجاع کے لیئے یہ فقرہ نشتر سے کسی طرح کم نہ تھا جو اس کے دل میں پیوست نہ ہو جاتا۔ وہ شرمندہ ہو گیا اور اس کی طبیعت اس پھول کی طرح پژمردہ ہو گئی جیسے درخت کی شاخ سے توڑ کر پھینک دیا گیا ہو۔ اس نے پیشانی سے عرق ندامت کو پاک کرتے ہوئے پُر درد لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"رادھیشری، میں تمھارے پاس ایک اڈیٹر یا انشاء پرداز کی حیثیت سے نہیں آیا تھا اور نہ آج ہی آیا ہوں بلکہ میرے دل میں اس وقت بھی وہی سرشاری اور خاموش جذبۂ پرستش موجود ہے جو اب سے چند سال قبل میوزک کالج کی چہار دیواری میں پایا جاتا تھا لہذا تم مجھے اڈیٹر یا انشاپرداز نہیں بلکہ وہی ایک ناکام طالب علم سمجھو جسے بارہا کالج کے جلسوں میں اپنی درد بھری راگنیوں اور سریلی آواز سے دنیا کے مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح مٹا دینے اور برباد کرنے کی کوشش کر چکی ہو۔ آہ! تم نے اس دن بھی یہی بے نیازی میرے ساتھ برتی تھی جسے میں نے احباب کی موجودگی کی وجہ سے مجبوراً برداشت کیا تھا لیکن آج میں تمھارے اس تجاہل عارفانہ سے خاموشی کے ساتھ

مجروح ہونے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ اب کسی ایسے خاموش حربے سے قتل کرنے کی کوشش کرو جسے تم پہلے استعمال کیا کرتی تھیں۔"

رادھیشری یہ سن کر مسکرائی اور اس نے نیلگوں ساری کا زرکار آنچل اپنی آراستہ کی ہوئی زلفوں پر ڈالا اور اپنے نیم عریاں سینے کو جو شباب کی مستی سے لبریز تھا ابھارتے ہوئے غریب شجاع کو ان کنکھیوں اور نیم باز آنکھوں سے دیکھا جن سے ایک خاص قسم کی جذباتی کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس میں ایسی ہزاروں بجلیاں پنہاں تھیں جو شجاع ایسے نسائیت پرست کے خرمن ہوش و حواس کو منتشر کرنے اور جلا دینے کے لئے کافی تھیں۔ وہ اس جگر سوز حسن اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی فتنہ سامانیوں سے متاثر ہوا اور اچھی طرح ہوا لیکن فوراً ہی صورتِ حال پر غور کر کے اپنے منتشر ہو جانے والے مجموعۂ حواس کو جمع کیا اور معنی خیز نگاہوں سے رادھیشری کے اس حسین چہرے پر جس کی خوبصورت اور صبیح رنگ پیشانی پر سرخ بندی ایسی کھلی معلوم ہو رہی تھی جیسے سطح بلور پر عنابی رنگ کا پھول، نظر ڈالتے ہوئے اپنی نگاہوں کو نیچا کر لیا اور خاموشی اختیار کر لی۔

رادھیشری مسکرائی اور اپنی بلوریں گردن کو متعدد مرتبہ اس طرح جنبش دی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شجاع نے اس مستورہ کرنے اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی ساحرانہ حرکت کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی ہے۔ آخر کار رادھیشری نے اپنے خوبصورت ہونٹوں پر ایک خفیف لیکن شرارت آمیز

تبسم پیدا کر کے گفتگو کا پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
"آپ کی تشریف آوری کا سبب"؟
"صرف شرف نیاز حاصل کرنا اور آپ کی روداد زندگی معلوم کرنا"
"تو یہ فرمائیے کہ آپ میری روداد زندگی معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ کیوں"؟

"محض اس لئے کہ شاید کبھی قلمبند کرنے کی ضرورت ہو ورنہ فی الحال تو مجھے اپنی اس خلش کو دور کرنا ہے جس نے آپ کو لکھنؤ سے یکایک لاپتہ کر دیا تھا یا اُس تعجب خیز انقلاب کی وجہ معلوم کرنا ہے جس نے آپ کو فلمی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا"

یہ سن کر رادھیشری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے اپنے جذبات پر قابو حاصل کرتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔
"مجھے آپ سے اپنی داستان غم بیان کرنے میں کوئی عذر نہیں اور اور نہ میں آپ سے ان زر کے طالب اور ناجائز دباؤ ڈال کر اغراض اور خواہشات کو پورا کرنے والے اڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی طرح اپنے صحیح واقعات کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہتی ہوں جن کی وجہ سے میں نے انکو باوجود پہچان لینے کے بھی آپ کے ساتھ تجاہل یا بد اخلاقی برتنا جائز رکھا۔ میں اپنی روداد زندگی بیان کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب کبھی آپ میرے حالات دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے قلمبند کریں تو میرے خاندان سے وابستہ ہستیوں کے نام ظاہر

کرنے کی کوشش نہ کریں"۔
شجاع نے جواب دیا "منظور"۔

—— ۸۴ ——

مشاہدات بازار کی داستانیں عموماً شوہروں کی بیوفائیوں یا غربت کی کی داستانوں ہی سے شروع ہوتی ہیں۔ اور زیادہ تران ہی مصائب کا شکار ہونے کے بعد وہ مجبوراً طوائف ہوجایا کرتی ہیں۔ چنانچہ یہی وہ اسباب ہیں جنکی وجہ سے ملک میں پیشہ ور عورتوں کی تعداد میں ترقی ہوتی ہے اور فحبگی اور فحاشی دن دونی رات چوگنی بڑھتی جاتی ہے لیکن لیکن میری داستان الم اس سے قطعی الگ ہے کیونکہ میں نے یہ پیشہ مذہبی قیود معاشرت کی ذلت، فاقوں کی تکالیف سے آزاد ہونے کے لیے اپنی خوشی سے اختیار کیا ہے۔

میرے والد قوم کے کھتری اور صوبہ اودھ کے ایک مشہور پہاڑ کے رہنے والے تھے، جہاں سرسبز و شاداب جھاڑیوں اور خوبصورت گھاٹیوں کی خوشگوار فضا میں میں نے بھی پرورش پائی اور وہیں کے ایک اسکول میں تعلیم بھی حاصل کی۔ میرے والد نے میری شادی تقریباً گیارہ سال ہی کی عمر میں کردی تھی اور میری زندگی کو ایک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کردیا تھا جو اس وقت تک یکے بعد دیگرے پانچ بیویوں کا شوہر ہو چکا تھا اور چھٹا نمبر میرا تھا۔ میرے میکے میں صرف میرے والد ہی حیات تھے اور باقی تمام اعزا مر چکے تھے۔

اُن کو میری شادی سے دس ہزار روپیہ کا فائدہ ہوا تھا جو اُن کی خاص عادت گھوڑ دوڑ میں صرف کرنے کے لئے کچھ عرصہ کے واسطے کافی تھا۔ اُنھیں گھوڑ دوڑ کا انتہا شوق تھا اور یہی شوق اُن کی بربادی کا باعث ہوا تھا کیوں کہ وہ اپنی تمام خاندانی جائداد کو بھی اس میں تباہ کر چکے تھے۔ میری شادی کے چھ ماہ بعد وہ سورگباش ہو گئے۔ اور میں میکے کی طرف سے بالکل تنہا ہو گئی۔ میرے شوہر جن کی عمر پچاس سال سے کسی طرح کم نہ تھی مجھ سے بیحد مانوس تھے لیکن افسوس کہ میری ازدواجی زندگی کے لئے بالکل بے کیف تھے۔ وہ متمول تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُنکی تمام جائداد مکفول تھی۔ شادی کے دو سال بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا اور میں اُس وقت بیوہ ہو گئی جبکہ شباب کی رعنائیوں نے مجھے مکمل ترین عورت بنا دیا تھا۔

ہندوستان میں بیوہ عورتوں خصوصاً ہندو استریوں کی پائمالی جن طریقوں سے ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں چنانچہ مجھے اپنی بیوگی کے ایک ہفتہ بعد ہی یہ معلوم ہوا کہ اب میرے لئے دنیا میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے جہاں میں اپنی زندگی کے بقیہ دن شریفانہ طور پر آرام و سکون سے بسر کر سکوں۔ کیونکہ قرض خواہ ہر طرف سے میرے شوہر کی مکفول جائداد پر قبضہ کر چکے تھے حتیٰ کہ میرے زیورات بھی قرض خواہوں کے حوالہ کر دئے گئے تھے۔ میرے شوہر کے اقربا میری تکفیل کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور مجھے طرح طرح کی تکالیف دینے لگے۔ بالخصوص لڑکیوں کے مذاق اور سہاگنوں کی طعن و

تشنیع اور وہ آوازے جو میری بدقسمتی اور نحوست پر کسے جاتے تھے مجھے سخت صدمے پہنچاتے تھے۔ اُن کے بیجا مظالم اور تشددوں کی سختیوں نے گو میرے دل میں زخم ڈال دیئے تھے اور مجھ پر غم کا پہاڑ توڑ دیا تھا۔ تاہم میں ان تکالیف کو نہایت مسرت کے ساتھ برداشت کر سکتی تھی، لیکن آہ! میں اس الزام کو کسی طرح نہیں برداشت کر سکتی تھی کہ شوہر کی موت کا باعث میں ہی ہوں۔ آخر کار، پریشان ہو کر مجھے گھر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا۔ راستہ میں میں نے لائحہ عمل کی تدابیر سوچنا شروع کیں لیکن کوئی تدبیر معقول نہیں سمجھ میں آئی۔ علاوہ اس کے مصائب رنج و غم نے مجھے اس قدر پریشان کر دیا تھا کہ میں خود کو خالی الذہن بھی سمجھنے کے لئے مجبور ہو گئی تھی لیکن چونکہ مکان سے چلتے وقت میں نے ان تین سو روپوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا جو میرے پاس گنیوں کی صورت میں پوشیدہ تھے لہذا میں کسی قدر مطمئن بھی تھی۔ مکان سے نکل کر میں نے تقریباً دو تین فرلانگ راستہ طے کیا تھا کہ اتفاقاً سڑک پر مجھے میرے شوہر کا نوجوان منیب مل گیا اور مجھے اُس نے پہچان کر دریافت کیا۔

"رانی جی، آپ کہاں جا رہی ہیں"؟

"جہاں ایشور لے جائے"۔

یہ کہہ کر میں آگے بڑھی لیکن منیب نے میرا راستہ روک کر کہا۔

"اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو آپ میرے ہمراہ چلئے۔ ممکن ہے کہ میں

آپ کو کوئی مفید مشورہ پیش کر سکوں۔

میں یہ سُن کر خاموشی سے اُس کے ہمراہ ہو گئی اور تھوڑی دیر میں اُس کے مکان پہنچ گئی اُس نے مجھے اطمینان سے بٹھا کر کہنا شروع کیا۔

" آخر آپ جوان ہو کر بغیر شوہر کے اپنی زندگی کیوں کر بسر کر سکتی ہیں جبکہ سماج آپ کو کسی حالت میں بھی قبول کرنے کے لیئے تیار نہیں "

میں نے جواب دیا۔

" ہاں نیب جی، تم بالکل صحیح کہتے ہو۔ لیکن کیا اب کوئی صورت ایسی نہیں ہو سکتی کہ میں اپنی زندگی کو کسی طرح خوشگوار بنا سکوں "

" صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے، لیکن میں آپ سے بیان کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ محض اِس لیئے کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ گزرے "

" نہیں، تم بیان کرو۔ ممکن ہے کہ میرے لیئے وہی صورت مفید ہو "

" اگر آپ اصرار کرتی ہیں تو سُنیئے! اب آپ کی آیندہ زندگی صرف طوائف بن کر گذر سکتی ہے اگر یہ منظور ہو تو میں آپ کو ایک ایسی جگہ پہنچا سکتا ہوں جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی اور آپ وہاں اپنی زندگی کے آیندہ دور کو کسی حد تک خوشگوار بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہیں "

میں نے سُنا اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد اُس سے کہا۔

" جب سماج مجھے کسی صورت سے قبول نہیں کر سکتا تو مجھے طوائف بننے میں کوئی عذر نہیں "

دوسرے دن زینب نے مجھے اپنی ایک ملاقاتی طوائف کے پاس پہنچا دیا۔ جہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور میں موسیقی کی تعلیم لینا شروع کرتی ہوں۔ چونکہ یہ رویہ میرا خود پسند کردہ تھا لہذا میں اس میں بہت جلد کامیاب ہوگئی اور دو سال کے بعد لکھنؤ چلی آئی جہاں موسیقی کی تعلیم کالج میں داخل ہو کر کچھ دنوں تک حاصل کی لیکن اس طرح کہ کالج کے پرنسپل کے سوا کسی دوسرے کو ایک زمانہ تک یہ علم نہ ہوا کہ میں تختۂ بازاری کی ایک جنس ہوں جسے ہر شخص چند نقرئی سکوں کے عوض خرید سکتا ہے حتیٰ کہ مسٹر شجاع آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا کیونکہ میں نے لکھنؤ میں بازار عام میں آنے سے اجتناب کیا تھا۔ میرے احباب کا دائرہ محدود تھا اور جو لوگ آتے تھے وہ بھی پوشیدہ اور بہت کم۔ چونکہ میری آواز سُریلی تھی اور مجھے موسیقی سے فطری ذوق بھی تھا لہذا میں نے کالج کے اوقات کے علاوہ پرائیویٹ طور پر بھی تعلیم حاصل کی اور اس میں بہت جلد کامیاب ہوگئی۔

"یہ تھا میری زندگی کا دوسرا دور جو آپ کو سنایا گیا۔ لیکن یہاں سے اب میری زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو دنیائے فلم سے متعلق ہے"

(۵)

فلمی زندگی میں حصہ لینے اور ایکٹرس ہو جانے کے بعد طوائف عزت اور شہرت کے لحاظ سے تو کسی قدر بہتر ہو جاتی ہے لیکن نگار خانہ میں داخل

ہونے کے بعد اُس کی زندگی کا دوسرا رُخ بہت زیادہ تاریک ہو جاتا ہے اور وہ سیہ کاریوں اور بدکاریوں کے لحاظ سے دنیا کی ایک خطرناک طوائف سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی نگارخانے سیاہ کاریوں کے مرکز ہیں اور ناخدایان فلم اور کارکنان فلم بالعموم نفس پرست ہی ہوتے ہیں جو شریف لڑکیوں کا بھی احترام نہیں کرتے۔ لہٰذا شریف گھرانے کی بہو بیٹیوں کو تو اس دنیا میں قدم رکھنے کی جرأت بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنی عصمت اور عفت کو بغیر کارکنان فلم کی بوالہوسی پر قربان کئے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

میں چونکہ حسن فروش ہونے کے قبل ہی عزت کی زندگی اور اُس کی لذت سے واقف ہو چکی تھی لہٰذا اُسے حاصل کرنے کے لئے رقص موسیقی اور بزت کی تعلیم حسب ضرورت لے کر لکھنؤ سے کلکتہ چلی آئی۔ اور اس فضا میں بھی عزت حاصل کرنے کے لئے برابر کوشاں رہی متکلم فلموں کا رواج میرے لئے ایک نیا جادہ بن چکا تھا، لہٰذا میں نے اپنی تصویر ایک نگارخانہ میں بھیجدی جس کے پہنچنے پر کمپنی کے ڈائرکٹر صاحب نے خود زحمت گوارا کی اور میرے کاشانہ "معصیت" پر گفتگو کرنے کیلئے خود ہی قدم رنجہ فرمایا۔ میں ڈائرکٹر صاحب سے نہایت اخلاق کیساتھ پیش آئی اور اُن کی انتہائی درجہ خاطر تواضع کی۔ کامل ایک گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد میں نے اُن کی خاص شرط کو منظور کر لیا اور کمپنی میں ملازم ہو گئی۔ میں چونکہ تعلیم یافتہ تھی لہٰذا مجھے نگارخانے میں داخل ہونے کے

بعد زحمتوں کا کچھ زیادہ سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور چند روز بعد ہی اداکاری میں کامیاب ہوگئی۔

اب میرے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ میں آپ کی برادری یعنی فلمی رسائل و اخبارات کے اڈیٹروں اور انشاء پردازوں کو بھی راہ راست پر لگاؤں۔ اور اُن کے اغراض پرست قلموں کی ہرزہ سرائیوں اور مغلظات کا نشانہ بننے سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی ایسی صورت اختیار کروں جس سے میں اپنی عزت اور شہرت کو بھی قائم رکھ سکوں اور اُن کی بیجا لعنت و ملامت کی شکار بھی نہ بن سکوں۔ چنانچہ میں نے فلمی رسائل اور اخبارات کے اُن مدیروں کو جنھوں نے اپنے فرائض کو پسِ پُشت ڈال کر اخلاق فروشی کی دُکان کھول رکھی تھی اور نام نہاد اداکاروں کی رنگین اور سادہ تصاویر کو حُسن پرستوں تک پہونچانا باعث فخر سمجھتے تھے اور بزعم خود فن شناسی کی آڑ لیکر تمام اُن اخلاقی الزاموں سے بری الذمہ ہوگئے تھے جنھیں دنیا کا وسیع الخیال اور شریف طبقہ تہذیب کے خلاف اور اخلاق کے منافی سمجھتا ہے شیشے میں اُتارنا شروع کیا۔ اور اُن کے ضمیروں کو چند نقرئی سکوں کے عوض خرید کر اُن کے قلموں پر دروغ بیانی کی مہر ثبت کردی۔

اب میری شان میں تعریفی نظمیں اور ستائشی مضامین لکھنا اخبارات و رسائل میں شائع کرنا وہ اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ آرٹ کی اوٹ میں اپنی محسنہ کو نمایاں کرنے اور عوام

کی نظروں میں وقیع ثابت کرنے کے لیئے وہ ستم ظریف ایک عصمت فروش کو خاتون۔ بیگم۔ اور مجہول النسب لکھ دینے میں ایک منٹ کا توقف بھی ظلم سمجھتے تھے۔

یہ ہے مسٹر شجاع! میری زندگی کا تیسرا دور، جس سے آج کل میں گذر رہی ہوں۔ میں نے ان "فاضل اجل" حضرات سے جو ملک کے ہر ہر گوشہ میں حشرات الارض کی طرح صرف ایکٹرس پرستی اور طوائف پرستی کیلیئے بڑے بڑے نام اڈیٹر اور انشاء پرداز بن گئے ہیں اور اپنے ساتھ ملک کے معزز اور قابل مدیروں اور انشاء پردازوں کو بھی بدنام کیئے ہوئے ہیں۔ آج تک اپنے حالات اور واقعات کو صحیح طور پر نہیں بیان کیا حالانکہ انھوں نے میری تصاویر پر مختلف طریقوں سے خوشنما الفاظ میں بہترین نوٹ لکھے ہیں۔ اور مضامین میں مفصل طور سے میرے حالات پر روشنی بھی ڈالی ہے لیکن وہ اتنے ہی تاریک ہیں جیسا کہ ان صحافتی ناخداؤں کے قلوب سیہ کاریوں کی وجہ سے بے نور ہیں یا خطرناک طوائف اور ایکٹریسوں کے دل سچی محبت اور خلوص سے بے نیاز۔

اب فرمائیے مسٹر شجاع، کیا آپ کو بھی کچھ حاضر کر دوں"؟

یہ تھا رادھیشری کا وہ آخری فقرہ جس نے شجاع کے دل پر ایک ایسی کاری ضرب پہنچائی کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اُس نے بیچین و مضطرب ہو کر اپنی پُرنم اور نیم باز آنکھوں سے اس حسین ساحرہ کو دیکھتے ہوئے غمناک لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"نہیں رُدھیا، میرا دل تمام اغراض و نفسانی خواہشات سے بالکل مستغنی ہے البتہ اس میں ایک ایسا لطیف اور پاکیزہ جذبہ ضرور موجود ہے جسے میں "خاموش جذبۂ پرستش" سے منسوب کرتا ہوں لہذا ایک تمہارے ہی سامنے نہیں بلکہ خدا کی اُس محترم ترین مخلوق یعنی ہر وہ عورت جو باغ دنیا میں اُس کی گلکاریوں کا بہترین نقش اور حُسن کی مکمل ترین تصویر ہو اس کے سامنے سر نیاز جھکانے کی خواہش تو کرسکتا ہوں لیکن اسکے خوبصورت اور نازک جسم کو کبھی چھونے کی جراُت نہیں کرسکتا محض اس لئے کہ کہیں لمس کے بعد میرا جسم ایک ایسا "نقطۂ آتشیں" نہ بن جائے جو میرے جذبۂ پرستاری کی اس خاموش آگ کو بھڑکا کر مجھے جلا دینے اور خاک کر دینے کا باعث ہو"۔

یہ کہہ کر شجاع خاموش ہوگیا اور اُس نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ راد ھیتری نے سُنا اور شجاع کو بغور دیکھ کر مُسکرائی۔ یکایک اُس کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار پیدا ہوگئے۔ اُس کا چہرہ غصّہ سے تمتما اُٹھا۔ گردن تن گئی بھویں کھنچ گئیں اور نہایت برہمی کے ساتھ تیوریاں چڑھا کر پُر جوش لہجہ میں کہنے لگی۔

آپ نے مجھے آج تو رُدھیا کہہ کر مخاطب کیا ہے لیکن آیندہ یاد رکھئے کہ آپ مجکو اس طرح مخاطب کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ نام صرف کالج کے ماسٹروں کے لئے مخصوص تھا"۔

شجاع اس شعلہ جوالہ کے یکایک برہم ہوجانے سے چونک پڑا اور

گھبرا گیا لیکن جب اُس نے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالی تو اُسے معلوم ہوا کہ رادھیشری کے جذبات میں ایک طوفان برپا ہے جس کو فرو کرنے اور گفتگو کا پہلو بدلنے کے لئے اُس نے بہترین اداکاری سے کام لیا ہے"۔

شجاع کو رادھیشری کی اس ایکٹنگ پر ہنسی آنے والی تھی اور وہ اُسکو بےساختہ اُس کے کمال کی داد دینے والا تھا، لیکن کچھ خیال کر کے اُس نے بھی ہنسی کو فوراً ضبط کر کے چہرے پر سادگی پیدا کر لی اور نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی مخمور نگاہیں نیچی کر کے معصومانہ انداز سے کہنے لگا۔

"تو پھر آپ بھی اِس کو رجسٹرڈ کرا لیجیے ورنہ ...."

رادھیشری نے ہنس کر جلدی سے شجاع کے منہ پر اپنا حنائی ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی۔

"اچھا بس، اب اِس قصّے کو اسی جگہ ختم کر دیجیے"۔

کامیاب مصوّر

(۱)

"مجھے یہ کہتے ہوئے سخت افسوس ہوتا ہے کہ کوئی علاج حتیٰ کہ آپریشن بھی آپ کی بصارت کو قائم رکھنے کے لئے مفید نہیں ہوسکتا اور نہ اب دو ماہ سے زائد آپ کی آنکھوں میں روشنی ہی رہ سکتی ہے۔"
یہ تھا وہ جملہ جس نے مطب کے وسیع حال میں گونج کر خاتون کے حسین چہرے کو گلاب کے پھول کی طرح پژمردہ بنا دیا اور اُس نے فرطِ غم سے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔ اُس نے آنسو بھری آنکھوں کو اوپر اُٹھایا اور ملتجیانہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور نہایت حسرت سے کہنے لگی۔

"تو کیا اب میں اندھی ہو جاؤں گی"؟

ڈاکٹر یہ سنکر بے چین ہو گیا اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگا۔
"میں مجبور ہوں خاتون، اور اس بات کو بھی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کا ہمیشہ کے لئے محروم بصارت ہو جانا دنیائے مصوری اور خود آپ کے لئے وہ ناقابلِ برداشت صدمہ ہوگا جس کی تلافی ناممکن ہی نہیں بلکہ محال

بھی ہے، آپ کی آنکھوں کی سفیدی بالکل کثیف ہو چکی ہے اور اُس میں کافی غبار بھی پیدا ہو چکا ہے۔ لہٰذا دو ماہ سے پہلے ہی اگر بصارت جاتی ہے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں، کاش آپ چند روز قبل مجھ سے ملتیں تو میں شاید آپ کو اِس مصیبت سے بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔"

سلیمہ نے ایک سرد آہ کھینچی اور اپنا حریری نقاب درست کرکے ڈاکٹر کی فیس میز پر رکھ کر یہ کہتی ہوئی باہر نکلی۔

"ہاں، ایک مصورہ کے لئے اِس سے زیادہ اور کیا تکلیف ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے محروم بصارت ہو جائے۔

سلیمہ ۱۲ سالہ نہایت حسین لڑکی تھی جس کے والدین بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ اس کے عزیز و اقارب میں بھی کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے سایۂ عاطفت میں وہ پرورش پاتی اور اُس کی تعلیم و تربیت معقول طریقے سے ہوتی، لیکن اس کی پرورش اور اُس کی تعلیم دایہ جبیبہ نے کی جو نہایت نیک نفس اور شریف خاتون تھی جبیبہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے وہ سلیمہ سے مہربان ماں ہی کی طرح محبت کرتی تھی اور خود سلیمہ بھی سن شعور کو پہنچنے کے بعد جبیبہ کا اُتنا ہی احترام کرتی تھی جتنا کہ ایک حقیقی ماں کا احترام کیا جاتا ہے۔

سلیمہ مصر کی حسین لڑکیوں میں شمار کی جاتی تھی اور اپنی فطری خوبیوں اور لطیف الخیال شاعرہ ہونے کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت کی مالک تھی۔ مگر وہ فطرتاً خوبصورت نہ بھی ہوتی تو اس میں علم و فن اور جدید

تہذیب کا پیدا کردہ حسن ایک دنیا کو دیوانہ بنانے کے واسطے اتنا معمولی نہ تھا کہ دیکھنے والے اُس کے سامنے سرِ عجز جھکانے کے لئے تیار نہ ہو جاتے۔ وہ ایک نازک دست مصورہ بھی تھی ایسی مصورہ کہ ہر تصویر اُس کے قلم سے "پرستیدۂ جذبات" ہو کر نکلتی اور ہر منظر اُس کے موقلم سے چھو جانے کے بعد ذی حیات معلوم ہونے لگتا۔ سکینہ جس کے موقلم کی ایک خفیف جنبش بھی مصر کے تمام مصوروں کو متحیر بنا چکی ہو اور بڑے بڑے نقادان فن سے مختلف شاہکار کا خراج تحسین وصول کر چکی ہو۔ مطب سے باہر نکل کر آہستہ آہستہ اپنے مکان کی طرف چلی اس کے تمام جسم میں ایک کپکپی سی پیدا ہو گئی تھی محض اس خیال سے کہ آج وہ جن چیزوں کو دیکھ سکتی ہے کچھ عرصہ کے بعد اُن کے دیکھنے سے محروم ہو جائے گی اور کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی نگاہوں میں تاریک ہو جائیگا اُسے اپنا نگار خانہ ترک کرنا پڑے گا۔ اپنے برشوں کو علیحدہ کر دینا ہوگا اور ہر اُس سامان مصوری اور نقاشی کو جو اُسے دنیا کی تمام چیزوں سے بہت زیادہ عزیز ہے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا ہوگا۔ چند روز کے بعد وہ اُن اندھوں کی طرح جو لکڑی کے سہارے گلیوں میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور اپنی دوزخ کو پاٹنے کے لئے ہر ایک سے بھیک مانگتے ہیں اُسے بھی اپنی روزی کمانے کے لئے ٹھوکریں کھانا پڑیں گی۔ اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑے گا۔

یہ تھے وہ پریشان کن خیالات جو اُس کے دماغ میں جلدی جلدی گزر رہے تھے۔ اُس کے سینے میں دریائے غم موجیں مار رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے، قدموں میں لغزش تھی اور لب پر سرد آہیں۔ دفعتاً اُسے قاسم بک کا خیال آیا جو اُس کا منگیتر تھا، مُنھ سے ایک آہ سرد نکلی اور فضا میں یہ جملہ گونجتے سُنائی دیا۔

"کیا قاسم بک کی بیوی اندھی ہو سکتی ہے"؟

سلیمہ پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو چکی تھی اور اندھوں کے غمزدہ تصور نے اُسے بیچین کر دیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے ایک گوشہ میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور جب اُسے کچھ سکون ہوا تو وہ یہ خیال کر کے کہ اندھی ہو جانے کے بعد قاسم اُس سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور بفرضِ محال ایسا نہ ہو تو بھی میں اُس کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔ لہٰذا قاسم سے آج ہی مل کر علٰحدگی کیوں نہ اختیار کر لی جائے۔ لیکن اِس طرح کہ اُسے حقیقی اسباب کا علم نہ ہو۔ وہ اُٹھی اور برقع کا نقاب درست کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی۔

(۲)

قاسم تمام ظاہری و باطنی اوصاف سے متصف تھا اور سلیمہ ہی کی طرح اُسے بھی قدرت نے حُسنِ سیرت اور حُسنِ صورت سے مالامال کر رکھا تھا۔ وہ پچیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا اور فنِ مصوری میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ اُس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اُس تصویر کو

جو مصر کی بین الاقوامی نمائش میں پیش کرنے والا تھا بغور دیکھ رہا تھا اور اُس پر تنقیدی نظر ڈال رہا تھا۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا اور سلیمہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"قاسم، میں تم سے رخصت ہونے کے لئے آئی ہوں"

"قاسم نے گھبرا کر برش ہاتھ سے رکھ دیا اور کہنے لگا"

"کیوں، آپ کہاں جا رہی ہیں"؟

"قاہرہ"

"یہ کیوں"؟

"محض اس لئے کہ میرا دل ہر چیز سے نفرت کرنے لگا ہے اور اب میں تمام علائق سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتی ہوں"

"تو کیا آپ کو مجھ سے بھی نفرت ہو گئی ہے"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی کہ مجھے آپ سے نفرت ہے یا محبت، لیکن یہ ضرور محسوس کر رہی ہوں کہ میں آپ کے لئے ایک عمدہ رفیقہ حیات نہیں ثابت ہو سکتی"

"قاسم نے ذرا ترش روئی سے کہا۔

"تو کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کون شخص ہے جس کو آپ اپنے لئے بہتر سمجھتی ہیں"؟

سلیمہ اس سوال پر پہلے تو جھجکی لیکن فوراً ہی اُس کو خیال ہوا کہ قاسم کو مغالطہ میں رکھنے کے لئے یہ طریقہ بہت بہتر ہے کہ میں اس کے خیال

کے موافق ہی اپنا خیال بھی کسی دوسرے شخص کی طرف ظاہر کر دوں۔ ورنہ اصلی سبب معلوم ہونے کے بعد وہ ہر ممکن اور ناممکن ایثار سے قربانی کے لئے تیار ہو جائے گا اور یہ مجھے منظور نہیں کہ وہ اپنی عزیز زندگی کو میرے لئے تباہ و برباد کر دے۔" اُس نے جواب دیا۔

"میں یہ بتانے کے لئے تیار نہیں البتہ یہ کہنے میں مجھے کوئی عذر نہیں کہ مصور کبھی خوشحال نہیں ہوا کرتے لہٰذا میں کسی غریب کی شریک زندگی بن کر اپنی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔"

یہ الفاظ ایسے نہ تھے کہ قاسم کے دل میں آتش رقابت نہ بھڑکا دیتے اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا اور جب سلیمہ کی سرد مہری پر غور کیا تو اُس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور اُس کے غم و غصہ میں دوگنا اضافہ۔ اُس نے اُسی حال میں کہا۔

"بہتر ہے تشریف لے جائیے لیکن یہ یاد رکھئے کہ ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوا کرتی۔"

سلیمہ نے بچشم نم اور قاسم بک نے بنظر حقارت ایک دوسرے کو دیکھا اور سلیمہ "خدا حافظ" کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہونے کے بعد ہی قاسم کے قدموں کو لغزش ہوئی اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

(۳)

سلیمہ کو وطن چھوڑے ہوئے ایک ماہ سے زائد ہو چکا تھا۔

اُس نے قاہرہ میں ٹوکریاں بنا کر فروخت کرنا اپنا ذریعۂ معاش بنالیا اور دو ماہ کی مسلسل محنت کے بعد ٹوکریاں بنانے میں اس قدر مہارت پیدا کرلی کہ بصارت جانے کے بعد وہ آسانی سے ٹوکریاں بنا سکے اور دُکان پر فروخت کر کے بسر اوقات کر سکے، اُس کی دایہ اُس کے ساتھ تھی، حالانکہ سلیمہ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ حبیبہ اس کے ساتھ نہ چلے لیکن حبیبہ نے سلیمہ کو ایسے نازک وقت میں تنہا چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔ اُس نے قاہرہ پہونچکر ایک رئیس کے بچوں کی نگہداشت کرنے میں ملازمت کرلی تھی لیکن شام کو سلیمہ کے پاس چلی آتی اور شب کو اخبار پڑھ کر سلیمہ کو سناتی، تاکہ اس کا دل وطن کے حالات سُن کر بہل جایا کرے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد سلیمہ کی بصارت بالکل جاتی رہی اور اب تمام دنیا اُس کی آنکھوں میں تاریک ہوگئی۔ دنیا اس حسین اور نابینا لڑکی کو دیکھ کر متاسف ہوتی لیکن ایسے بہت کم ہوتے جو اُسکی ٹوکریاں خرید کر اُس کی عملی امداد کرتے اس کی مالی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی تھی اور ٹوکریوں کا انبار دُکان میں لگتا جارہا تھا۔ ایک دن دکان سے واپس آنے کے بعد اُس نے اپنی بوڑھی دایہ سے کہا۔

" ٹوکریاں روزانہ جمع ہوتی جارہی ہیں اور فروخت نہ ہونے کی وجہ سے آمدنی بھی کم ہوگئی ہے۔ اگر ہفتہ عشرہ میں کوئی خریدار نہ پیدا ہوا تو شاید دُکان اور مکان کا کرایہ بھی نہیں ادا ہوسکے گا"

دایہ نے تسلی آمیز لہجہ میں جواب دیا۔

"آپ کوئی فکر نہ کیجئے۔ میری آمدنی کافی ہے اور یہ بھی آپ ہی کے لئے ہے۔ علاوہ اس کے چند دن کی تکلیف اور ہے اس کے بعد آپ کی آنکھیں بھی درست ہو جائیں گی۔"

"کیا، آنکھیں بھی درست ہو جائیں گی، یہ کیسے"؟

"میں نے اپنی مالکہ سے بصارت ضائع ہو جانے کا تذکرہ کیا تھا انھوں نے ایک ڈاکٹر کو بتایا تھا کہ وہ آنکھوں کا بہترین معالج ہے اور بہت سے اُن مریضوں کو جو بالکل مایوس ہو چکے تھے، علاج کر کے نمایاں طور پر کامیاب ہو چکا ہے، مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی اس کے علاج سے اچھی ہو جائیں گی۔"

سلیمہ یہ سُن کر مسرور ہو گئی اور اُس کے زرد اور کمھلائے ہوئے چہرے پر خون کی سُرخی دوڑ گئی اُس نے دریافت کیا۔

وہ کہاں رہتے ہیں اور اُن کی فیس کیا ہے"؟

"وہ قاہرہ ہی میں پریکٹس کرتے ہیں لیکن آج کل وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ اُن کے آنے پر میں اُن سے دریافت کروں گی کہ وہ کم از کم کیا فیس لیں گے۔"

سلیمہ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"لیکن میرے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے کہ میں ڈاکٹر کی معمولی فیس بھی ادا کر سکوں۔"

"اس کی آپ فکر نہ کیجئے میں اس کا انتظام کر لوں گی۔"

اس گفتگو کو ہوئے کئی ہفتہ گزر گئے۔ دکان پر ٹوکریاں جمع ہوتی رہیں لیکن کوئی خریدار نہیں آیا اور تجارت بالکل سرد پڑ گئی۔ ایک دن شام کو جبکہ سلیمہ دکان بند کر کے دایہ کے ساتھ مکان آنے والی تھی کہ ایک شخص نے دکان پر قدم رکھا اور ٹوکریوں کی قیمت دریافت کر کے سب خرید لیں۔ قیمت دینے کے بعد اس نے سلیمہ سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا آپ کی آنکھوں میں روشنی اب بالکل نہیں ہے"؟

"جی نہیں میں تو صرف انگلیوں سے ٹٹول کر کام کرتی ہوں"۔

"تو کیا اب روشنی کی کوئی امید بھی نہیں ہے"۔

"صرف ایک امید باقی ہے اور اسی لئے میں نے یہ ٹوکریاں آپ کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کر ڈالی ہیں"۔

"لیکن مجھے تو ابھی ٹوکریوں کی اور بھی ضرورت ہے۔ کیا آپ کے پاس اب بالکل نہیں ہیں"؟

"اس وقت تو نہیں ہیں، لیکن دو چار دن میں تیار ہو سکتی ہیں"۔

"بہتر ہے آپ تیار کیجئے میں دو روز کے بعد پھر آؤں گا"۔

"آپ کا نام"؟

"مجھے نصرت کہتے ہیں"۔

یہ کہہ کر نصرت واپس گیا اور سلیمہ دکان بند کر کے دایہ کے ساتھ مکان چلی آئی۔

دو ماہ سے زیادہ گذر گئے۔ نصرت برابر اُس کی دکان پر آتا رہا اور سلیمہ سے ٹوکریاں خرید کر اُس کی امداد کرتا رہا۔ سلیمہ کے دل میں اس حسن سلوک اور نصرت کی ہمدردیوں سے ایک خاص قسم کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جس سے اُس کی خودداری مجروح نہ ہوئی تھی اور نہ وہ اس امداد کو نفرت کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ وہ بہت زیادہ غیور تھی اور یہی سبب تھا کہ اُس نے قاسم بک سے آنے والی مصیبتوں کا اظہار نہیں کیا تھا ورنہ وہ ہر ممکن طریقے سے یقیناً اُس کی امداد کرتا۔

(۴)

چند روز کے بعد سلیمہ کی مالی حالت اچھی ہو گئی اور اُس نے ڈاکٹر کی فیس ادا کرنے کے لئے ایک معقول رقم جمع کر لی۔ ڈاکٹر قاہرہ واپس آچکا تھا اور اپنے معمول کے موافق مطب میں بیٹھا کرتا تھا۔ سلیمہ ایک دن اپنی دایہ کے ساتھ اُس کے مطب پہنچی اور آنکھوں کے علاج کے متعلق مشورہ کیا۔ ڈاکٹر نے آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا۔

"اگر آپ چند روز قبل آجاتیں تو آپریشن کی ضرورت نہ ہوتی"۔

"لیکن آپ تو باہر گئے ہوئے تھے علاوہ اس کے میں اُس وقت آپکی فیس بھی نہیں ادا کر سکتی تھی"۔

"خیر، آپ کل ہی میرے آپریشن روم میں داخل ہو جایئے تاکہ میں آپریشن کر دوں"۔

"تو کیا واقعی آپ میرا علاج کریں گے اور یہ آپریشن کامیاب بھی ہوگا"۔

"مجھے تو خدا کی ذات سے یہی اُمید ہے کہ آپریشن کامیاب ہوگا۔"

"بہتر ہے۔"

دوسرے دن سلیمہ اُس کے آپریشن روم میں داخل ہوگئی۔ ڈاکٹر نے آپریشن کیا۔ بیہوشی دور ہونے کے بعد سلیمہ نے نہایت جانگداز درد محسوس کیا جو اُس کے لئے ناقابل برداشت تھا وہ تکلیف سے چیخ اُٹھی اور ایک سخت کراہ کے ساتھ کہنے لگی۔

"آہ! کاش میں مرگئی ہوتی۔"

اتفاقاً کمرے میں نصرت بھی موجود تھا۔ وہ سلیمہ کی تکلیف دیکھ کر بیچین ہوگیا اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"گھبرائیے نہیں خاتون، چند روز کی تکلیف ہے اس کے بعد آپ بالکل اچھی ہو جائیں گی۔"

سلیمہ نے نصرت کی آواز کو خود پہچانا لیکن تکلیف کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکی اور بے ہوش ہوگئی۔ دوبارہ بے ہوشی رفع ہونیکے بعد اُسے سکون تھا اور درد میں تخفیف ہو چکی تھی۔ پندرہ روز بعد جب آنکھوں پر سے پٹی کھولی گئی تو وہ یکبارگی اُچھل پڑی۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا حالانکہ ابھی کوئی چیز صاف نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اُس نے مسرور ہوکر ڈاکٹر سے کہا۔

"میں آپ کے اِس احسان سے عمر بھر سبکدوش نہیں ہو سکتی۔"

"احسان کی تو کوئی بات نہیں میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

سلیمہ اس وقت بہت زیادہ خوش تھی اور اُس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بیساختہ قہقہہ مار کر ہنسنا شروع کرے۔ لیکن ڈاکٹر نے اُسے پرجوش ہونے سے منع کیا۔ چند روز کے بعد وہ بالکل اچھی ہوگئی اور اب وہ نقوش بھی صاف دکھائی دینے لگے جو آج سے دو ہفتہ قبل اُسے ڈھندلے نظر آتے تھے۔ ہسپتال سے رخصت ہونے کا وقت آچکا تھا لہذا سلیمہ نے ڈاکٹر کی فیس میز پر رکھتے ہوئے اِس کا شکریہ ادا کیا اور کوشش کی کہ ڈاکٹر اُس کی فیس قبول کرلے لیکن ڈاکٹر نے باوجود اصرار کے فیس لینے سے انکار کردیا اور کہا۔

"مجھے میری فیس سے زیادہ معاوضہ مسٹر نصرت دے چکے ہیں جو آپ کو روزانہ دیکھنے آیا کرتے تھے۔ اب میں ایک پیسہ بھی آپ سے نہیں لے سکتا۔"

یہ سُن کر سلیمہ کو بہت تعجب ہوا اور اُس نے ڈاکٹر کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے رخصت ہوکر ہسپتال سے باہر نکلی اور راستہ میں دایہ سے کہنے لگی۔

"جب نصرت روزانہ آیا کرتے تھے تو تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی"؟

"محض اس لئے کہ اُنھوں نے مجھے منع کردیا تھا۔"

"کیا تمھیں اُن کا مکان معلوم ہے"؟

"جی ہاں۔ راستہ ہی میں ملے گا اگر مناسب سمجھئے تو اُن سے اسی وقت ملتی چلئے۔"

"ہاں میں اُن سے ضرور ملوں گی۔ اُنھوں نے میرے ساتھ غیر معمولی ہمدردی

کی ہے وہ میرے محسن ہیں۔"

"بہترین آدمیوں کا شیوہ یہی ہے۔"

"سلیمہ یہ سُن کر کسی خیال میں غرق ہو گئی اور دآیہ نے تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"

"یہی اُن کا مکان ہے۔"

دو دروازے پر پہنچکر دآیہ نے دستک دی اور اطلاع دیکر کمرے میں داخل ہو گئی۔ سلیمہ کو یہ دیکھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ اُس کی تمام ٹوکریاں اس وقت تک جمع ہیں اور ایک بھی مصرف میں نہیں لائی گئی۔ علاوہ اس کے اُس کا تمام سامان بھی اُسی کمرے میں قاعدے سے رکھا ہوا ہے جو اُس کے مکان پر موجود تھا۔ اُس نے متحیّر ہو کر دآیہ سے دریافت کیا۔

"کیا ہسپتال میں داخل ہونیکے بعد تم نے اس مکان کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اسباب یہاں پہنچا دیا تھا۔

دایہ جبکہ سلیمہ کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اُس نے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر پیچھے دیکھا اور دآیہ کو نہ پا کر پریشان ہو گئی۔ اس کے دل میں سینکڑوں خیالات نے ایک اضطراب پیدا کر دیا وہ سہم کر چیخنے ہی والی تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے قاسم کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ سلیمہ اُسے دیکھ کر بیخود ہو گئی اور متعجبانہ انداز سے کہنے لگی۔

"ہائیں تم یہاں کیسے آئے۔"؟

"اپنی گم شدہ خوشی کو تلاش کرنے یا ٹوکریاں خریدنے۔"

"تو کیا نصرت بھی تم ہی ہو اور یہ ٹوکریاں بھی تم ہی نے خریدی تھیں؟"

"جی ہاں۔"

"افسوس، میں اس قدر اندھی ہوگئی تھی کہ مجھے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ تم......"

"نہیں میں نے خود کوشش کی تھی کہ آپ مجھے نہ پہچانیں۔"

"یہ کیوں"؟

"محض اس خیال سے کہ کہیں آپ میری اس خدمت کو بھی پائے حقارت سے نہ ٹھکرادیں اور اس کے بعد مجھے بھی اولین فرصت میں خودکشی کرنا پڑے اسلئے کہ یہ صدمہ میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہوتا۔"

"یہ کہہ کر قاسم خاموش ہوگیا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے سلیمہ کے دل میں چونکہ خود قاسم کی طرف سے ایک غیر معمولی جذبہ پنہاں تھا اور اسکی رگ رگ آتشِ محبت سے جل رہی تھی اندا وہ قاسم کے آنسو کسی طرح نہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ اس کے پاس اس کے آنسوؤں کے جواب میں سوائے اس مسکت جواب کے کوئی دوسرا جواب ہی تھا کہ وہ اپنے خاموش لبوں سے اس کے سچے موتیوں کا جواب نہ دے۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ خود کو قاسم کی آغوش کے سپرد نہ کردیتی اور لبوں کے باہمی اتصال سے اسکی سسکیاں نہ بند کردیتی۔

"دوسرے دن سلیمہ اور قاسم دائمی رشتۂ محبت میں منسلک تھے اور دایہ حبیبہ اپنی اس کارگزاری پر بیحد مسرور۔"

داستانِ محبت کے خونی اوراق

(۱)

تمام دن کی مصروفیت کے بعد تھکے ہوئے دماغ کو آرام دینے کے لئے شہاب نے ابھی اچھی طرح سانس بھی نہیں لی تھی کہ دفعتاً دارالمطالعہ کا دروازہ کھلا اور "چٹھی رساں" نے کمرہ میں داخل ہو کر اس کی میز پر شام کی ڈاک رکھ دی۔ شہاب نے سرسری طور پر اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرنے کے بعد غیر ضروری خطوط کو ردی کی ٹوکری کے حوالہ کیا اور ضروری خطوط پڑھ کر میز کی دراز میں رکھنا شروع کر دیئے۔ جب اس کی نظر ایک آخری خط پر پڑی جو دیگر خطوط و اخبارات کے نیچے کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا تو اس کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی اس لئے کہ رسم الخط نسوانی تھا لیکن نہایت پاکیزہ جسے آج سے پہلے شباب نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس نے لفافہ کو غور سے دیکھا اور بالآخر کسی قدر بے ہی کے ساتھ "قید کی" چاک کر کے پڑھنا شروع کیا جس میں صرف یہ لکھا ہوا تھا:۔

محترم ادیب:

کیا آپ اجازت دے سکتے ہیں کہ میں آپ سے خط و کتابت کروں۔

اُمید ہے کہ آپ بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرمائیں گے۔
ممنون ہوں گی۔

"حسینہ بیگم پیکر"
عشرت منزل میمو۔ برما۔

شہاب نے خط کو متعدد بارہ پڑھا اور دونوں کُہنیاں میز پر ٹیک اور سَر پکڑ کر اس طرح بیٹھ گیا گویا اُس پر کوئی سخت مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ وہ بہت دیر تک عالم محویت واستغراق میں ایک سنگین بُت کی طرح بیٹھا رہا پھر کچھ غور کرنے کے بعد اُس نے قلم اُٹھا کر جواب لکھنا شروع کیا۔

پیکرِ عز و ناز!

جب آپ کو سلسلۂ مراسلت ہی جاری کرنا تھا تو پھر یہ طلبِ اجازت کیسی۔؟ بہر حال آپ اظہار خیال فرمائیے اگر خاموش رہنے کا خیال بھی دل میں لاؤں تو دار پر چڑھا دیجئے گا۔ اب اِس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتی ہیں۔؟

"شہاب"

تحریر ختم کرنے کے بعد اُس نے لفافہ پر پتہ لکھا اور اُسی وقت ملازم کو لیٹر بکس میں ڈالنے کے لئے دیدیا۔

شہاب اُس ذہین طبقہ سے تعلق رکھتا تھا جسے متوسط الحال طبقہ کہتے ہیں اور جس کے افراد میں بعض اوقات تعلیم کے اثرات وہ غیر معمولی انقلابات پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک گمنام ہستی قعر گمنامی سے نکل کر آسمان

شہرت پر پہنچ جاتی ہے اور سارے مُلک کا موضوع بحث بن جاتی ہے۔ وہ لٹریچر کا بیحد دلدادہ تھا اور اس قدر صحیح اور پاکیزہ ذوق رکھتا تھا کہ چند ہی دنوں میں اُس نے اپنے ہمعصر اُدباء میں نمایاں خصوصیت حاصل کر لی تھی اور ملک کے تعلیم یافتہ اُمراء و رؤساء میں بھی اُس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہونے لگا تھا۔ ہرچند شہاب تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا۔ لیکن اپنی فطرت و ذہنیت کے لحاظ سے وہ یقیناً عام سطح انسانی سے کسی قدر بلند واقع ہوا تھا۔ وہ قدرت کی طرف سے مُفکر دماغ لے کر آیا تھا اس لیے اُس نے خود اپنی کوشش و کاوش سے عربی و فارسی کی تعلیم کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور پھر مطالعہ سے اُس نے اپنی قابلیت میں کافی اضافہ کر لیا تھا۔ وہ ادب کا دلدادہ تھا صرف ادب کی غرض سے۔ وہ شاعری کرتا تھا محض اس لئے کہ وہ اُس کی غذائے روحانی تھی اور اس نشہ کے بغیر اُس کی زندگی تلخ ہو جاتی تھی لیکن وہ اصناف ادب میں صرف اُس لٹریچر کو رواج دینا چاہتا تھا جو روحِ انسانی کو متاثر کر سکتا ہے۔ وہ اُس شعبۂ ادب کو پسند کرتا تھا جس کا تعلق صرف دل سے ہوا کرتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک یہی چیز ایسی تھی جو مادیات کی عظیم ترین فتوحات کے مقابلہ میں روحانیت کی طرف سے پیش کی جا سکتی ہے۔ اُس نے ہمیشہ اپنے ہی جذبات کی پابندی کی بلا لحاظ اس کے کہ زمانہ کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ نظم ہو یا نثر۔ وہ ہمیشہ اس میں اپنے ہی خیالات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ حالانکہ اکثر حضرات اس کو ناپسند کرتے تھے۔ اُس نے کبھی اُن کے اعتراضات پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی

محض اس لئے کہ اُس کا مقصود دوسروں کو مسرور کرنا یا اُن سے داد لینا نہ تھا بلکہ وہ خود لطف اُٹھاتا تھا اور اُن کو یہ جواب دیدیتا تھا کہ مجھ میں ایسا خلق تام کہاں کہ میں دوسروں کی وجہ سے اپنی لذتوں کو غارت کر بیٹھوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ذوق کے موافق اس کے رنگین تخیلات میں کچھ نہ کچھ ایسے جواہرات ضرور پا لیتا تھا جو اُن کے ذوق طبیعت اور ذوق ادب کی تشنگی کو بجھا دیتے تھے اور یہی اُس کی کامیابی کا راز بھی تھا۔

شہاب اپنی فطرت کے لحاظ سے بھی ایک خلوت پسند اور گوشہ نشین انسان تھا۔ اور اُس کی ہر ادا سے عجیب و غریب شانِ استغنا پائی جاتی تھی لباس کی طرف سے بالکل بے پروا۔ رسمی پابندیوں سے آزاد۔ اور طلب جاہ و ثروت کے خیال سے قطعاً متنفر تھا۔ وہ صورت کے لحاظ سے بھی کوئی غیر معمولی حسین نہ تھا اور نہ صحت و توانائی کے لحاظ سے قابلِ رشک کہا جا سکتا تھا۔ لیکن حسن اگر جلد اور رنگ کا نام نہیں ہے تو یقیناً اُس کی صورت حد درجہ دلکش تھی۔ اس کا رنگ سانولا تھا اور چہرے کے خط و خال بہت مناسب تھے۔ اس کی فطری سوگواریوں نے اُس کے چہرے پر ایک قسم کا زعفرانی غازہ مل کر اس کو زردی مائل بنا دیا تھا جسے دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ یقین کر لیتا تھا کہ شہاب عشق میں مبتلا ہے۔ اُس کی وارفتہ ادائیں۔ اُس کا ذوق ادب۔ اُس کی ہر وقت کی بے خودی اور پھر اُسی کے ساتھ اُس کے تاثرات عشق کا چہرے سے اظہار۔ ان تمام چیزوں نے

مل کر اُسے جنس لطیف کی توجہ کا آماجگاہ بنا رکھا تھا لیکن اس کا فلسفہ عورت کے بارے میں نہایت خطرناک اور مہیب تھا اور اسی سبب سے وہ خود کو کسی عورت کی طرف مائل بھی نہیں پاتا تھا۔

وہ کہا کرتا تھا کہ مرد کی عقل افراط ہوس سے متاثر ہو جاتی ہے اور وہ اس پست قامت، تنگ کندھوں اور چوڑی سُرین والی غیر متناسب مخلوق کو "صنف جمیل" کہنے لگتا ہے۔ اس صنف کی ساری خوبصورتی مرد کے ان ہی مخصوص احساسات سے متعلق ہوتی ہے لہٰذا انھیں حسین کہنے کے بجائے اگر مکروہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ وہ موسیقی، شاعری، مصوری اور دیگر فنون لطیفہ سے قطعاً دلچسپی نہیں لیتی اور اگر کبھی اپنی دلچسپی کا اظہار بھی کرتی ہے تو وہ صرف دوسروں کو خوش کرنے یا شہرت حاصل کرنے کیلئے۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ عورت پیدا کی گئی ہے محض اس لئے کہ دنیا میں تباہی کے اسباب فراہم کرے اور اپنی لطافتوں اور حسن کاریوں سے جنس قوی کے قلوب کو متاثر بنا کر اُن کی زندگی کو سوگوار بنا دے۔ دلوں میں جذبات سینوں میں اُمنگیں، دماغوں میں جستجوئیں، ہستیوں میں بیتابیاں پیدا کرے اور ان کو اپنے فریب میں مبتلا کر کے علیحدہ ہو جائے۔

انتہا یہ ہے کہ شہاب اکثر اوقات یہ بھی کہدیا کرتا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ اگر کوئی چیز خطرناک ہے تو وہ عورت ہے آج سے نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے۔ اور اس کو اس طرح ثابت کرتا تھا کہ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو معہ حضرت حواؑ کے فردوس میں رہنے کے لئے کہا تو حضرت حواؑ نے

اُنھیں شجرِ ممنوع کے پاس جانے اور اُنھیں اُس کے استعمال کرنے پر
مجبور کیا۔ حضرت آدمؑ نے اُنھیں بہت کچھ سمجھایا کہ یہ خدا کی نافرمانی ہوگی۔
اُس نے ہم کو منع کیا ہے کہ اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ :- فَتَكُونَا
مِنَ الظّٰلِمِينَ - میں سے ہو جاؤ گے لیکن حوّا نے ایک بات نہ مانی باوجود اسکے کہ ان کو
بھی وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کا بخوبی علم تھا۔ آخرکار حضرت
آدمؑ کو مجبوراً وہی کرنا پڑا جسے وہ کبھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جنّت کے
بھول کو جہنم میں بھگولنے والی بھی عورت ہی کی ذات ہے۔

شہاب طبقہ نازک کی طرف سے کسی خاص جذبے کے ماتحت برہم
نہ تھا اور نہ متنفر تھا۔ بلکہ وہ عجیب و غریب فطرت کا انسان تھا۔ وہ عشق
سے بھی بیگانہ نہ تھا بلکہ اُس کی ہستی یکسر اُلفت و پرستاری تھی اور درحقیقت
وہ اُلفت شناس اور محبت پرست تھا ہی نہیں بلکہ ایک ناکام محبت جتنی تلخیاں
اپنے پاس رکھ سکتا ہے اُن سب کا مزہ بھی وہ اچھی طرح چکھ چکا تھا البتہ ایک
تلخیٔ مرگ باقی تھی جس کی چاشنی چکھنے سے وہ اپنی سخت جانی کے سبب سے
ابھی تک محروم تھا ورنہ اس کو مر جانا چاہیے تھا۔ اس وقت جبکہ اُسے فریب
محبت میں مبتلا کر کے اُس کی زندگی کو کسی نے غمناک بنا دیا تھا۔ وہ اپنے
گذشتہ واقعات کو زندگی کا ایک رنگین افسانہ سمجھ کر فراموش کر سکتا تھا
اور اپنے مغموم دور کو مسرتوں میں تبدیل کر کے ہمیشہ کے لئے رنگین بنا سکتا تھا
لیکن نہیں اُس نے اپنی سوگواریوں کو اپنا سرمایہ حیات سمجھا اور اپنی ناکامیوں
کے ہر ہر تیر کو اپنے کلیجے سے لگائے رکھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ

مری زحمتیں شب عیش ہیں مرا اضطراب سکون ہے،
میں یہی کہوں گا کہ عشق نے مری زندگی کو بنا دیا (شعلہ)

باوجود ان تمام باتوں کے شہاب خود کو جنس لطیف کی طرف سے بالکل بیگانہ بنا چکا تھا یا اُن کے وجود کو خطرناک سمجھتا تھا وہ طبقۂ نازک کو انتہائی عزت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا اور اُن کا حد درجہ احترام کرتا تھا اس لئے نہیں کہ وہ بھی حوّا کی بیٹیوں ہی میں سے کسی ایک بیٹی کے بطن سے ہے بلکہ اس لئے کہ خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اُسے اس سے بہتر اور آسان کوئی دوسری دلیل نہیں ملتی تھی کہ وہ نہایت حسین و جمیل عورتیں بھی پیدا کر سکتا ہے جن کی کمر کی دونوں جانب کا بلوز نکال کر ہیئے ہیں اس لئے بھر دیا ہو کہ شباب کی نزاکت و قوت دو تول بجلی کی منفی و مثبت رو کی طرح دیکھنے والے کو مسحور کر لے۔ غرضکہ وہ احترام کرتا تھا اور اسی جذبے کے ماتحت اُس نے پیکر کے خط کا جواب بھی لکھا تھا ورنہ وہ طبقۂ نازک کے جذبات کو پامال کرنے میں بھی اخلاقیات کے تمام اُصولوں کو نظر انداز کر چکا تھا اور اب اُن تحریروں کا جواب بھی بہت ہی کم لکھتا تھا جو اُسے "طبقۂ جمیل" کی طرف سے معرفانہ موصول ہوا کرتی تھیں لیکن جس دن اُسے کسی خاتون کی محبّت آمیز تحریر مل جایا کرتی تھی اُس کا دل و دماغ معطل ہو جاتا تھا۔ وہ اُس دن کسی کام کے لائق نہیں رہتا تھا اور ایسی تحریروں کے جواب میں قطعاً خاموشی اختیار کر لیتا تھا محض اسلئے کہ وہ اُسے کُھلا ہوا فریب سمجھتا تھا۔

(۲)

شہاب پیکر کے خط کا جواب لکھنے کے بعد پیکر کو بالکل بھول چکا تھا اور خدا معلوم کب تک بھولا رہتا اگر اُس کا دوسرا خط آئندہ ہفتہ میں اُس کو نہ ملتا۔ اُس نے پیکر کی پہلی تحریر کو دوبارہ دیکھا بھی نہ تھا اور نہ اُس پر غور کرنے کی کوشش کی تھی کہ بر ما سے اُس کے خط آنے کا اصل سبب کیا ہے؟ تاہم اُس کو یہ خیال ضرور ہوا تھا کہ پیکر ایک تعلیم یافتہ خاتون ہے اور شاید ادبی ذوق بھی رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ ادب کے کسی موضوع پر اُس سے تبادلۂ خیالات کرنا ہو لیکن جب اُس نے اپنے خط کے جواب میں پیکر کی دوسری تحریر دیکھی تو اُس کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس لئے کہ اُس میں خلاف قیاس اظہار محبت کیا گیا تھا اور رسائل میں شائع شدہ تصاویر دیکھنے کے بعد اپنی مفتونیت اور مغلوبیت کا اعلان کیا گیا تھا۔ اُس نے اس خط کو متعدد بار پڑھا اور پڑھنے کے بعد پیکر کے پہلے خط کے ساتھ فائل کر دیا اور خاموشی سے دوسری تحریروں کا انتظار کرنے لگا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ یہ سلسلہ آسانی سے منقطع ہونے والا نہیں لہذا اس کا جواب ہی نہ دیا جائے، تاکہ پیکر بھی اپنی تحریروں کا جواب نہ پا کر خاموش ہو رہے اور یہ سمجھ لے کہ شہاب کسی کی محبت آمیز تحریروں کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔

دو ہفتہ سے زائد گزر چکے تھے لیکن پیکر کے خطوط کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ وہ روزانہ شہاب کو ایک خط لکھا کرتی تھی اور شہاب

اُنھیں قائل کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار اس کے متعدد خطوط ملنے کے بعد شہاب متاثر ہوا لیکن اُس وقت جبکہ اُس سے یہ سوال کیا گیا کہ "وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟" شہاب اگر چاہتا تو یہ لکھ کر اس سلسلہ کو اسی جگہ ختم کر سکتا تھا کہ "وہ شادی شدہ ہے اور اُس کے بچّے بھی ہیں"۔ لیکن یہ اُسکے ضمیر نے گوارہ نہیں کیا کہ وہ جھوٹ بولے، اس لئے کہ وہ جھوٹ مکر و فریب اور دغا سے قطعاً احتراز کرتا تھا۔ لہذا اُس نے پیکر کی تمام تحریروں کا دوبارہ مطالعہ کیا اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد خط لکھنا شروع کیا۔

"پیکرِ حُسن و شباب!

میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک وہ شخص جس نے دنیا کی تمام لذتوں سے بیزار ہو کر "زاویۂ خاموش" کے مانند مکان کے ایک مختصر کمرے کو اپنی ساری دنیا قرار دے لیا ہو وہ آپ کے اُن جذبات محبت کا کیسے احترام کر سکتا ہے اور آپ کے ہر نقشِ کفِ پا پر سجدہ کرنے کے لئے کیسے تیار ہو سکتا ہے، جن کا اظہار آپ اپنے خطوط میں متعدد مرتبہ کر چکی ہیں۔ اس کے جذبات و حسیات مردہ ہو چکے ہیں اور اب وہ بقیہ حسیات میں تحریک پیدا کرنے کے لئے کسی محرک کی ضرورت بھی نہیں محسوس کرتا محض اس لئے کہ وہ مہجورِ اُلفت ہے اور ناکامِ محبت، یا ناکامِ دنیا۔ غرضکہ اب وہ ایسا "پیکرِ غم" ہے جو اپنی مسرتوں، ارمانوں اور تمناؤں کا خود ہی نوحہ خواں ہے اور اسی نوحہ خوانی اور سوگواری

کو اپنا سرمایۂ حیات بھی سمجھتا ہے۔ میں یہ معلوم کر کے بجد مسرور ہوں کہ اللہ نے آپ کو دولتمند کیا ہے۔ میں یہ معلوم کر کے خوش ہوں کہ آپ ذہین اور قابل ہیں اور میں اس خیال سے بھی مطمئن ہوں کہ آپ کو خدا نے دولت حسن سے بھی سرفراز فرمایا ہوگا۔ لہذا اے محترم خاتون۔ میں آپ ایسی ذات کے لئے جس پر خدا اس قدر مہربان ہو اور جس کو اس نے اپنے انعام و اکرام سے اس قدر دے رکھا ہو اپنی تمام دعاؤں کو اس کی سچی اور خوشگوار مسرتوں کے لئے کیوں نہ وقف کر دوں اور اس کے صلہ میں یہ التجا کیوں نہ کر دوں کہ آپ آیندہ میرے حال سے کوئی تعرض نہ کریں۔ بالخصوص معاملات حسن و عشق میں کہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا اور نہ آپ کے ان لطیف جذبات سے کوئی نئی مسرت ہی حاصل کر سکتا ہوں کیونکہ میرے لئے ماضی کی حسرتیں ہی کیا کم ہیں کہ میں حال اور مستقبل کے متعلق کچھ اور آرزوئیں اب آپ سے وابستہ کروں اور انھیں بھی ناامیدیوں میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھوں جس کے بعد پہلی ہی فرصت میں مجھے خودکشی کرنے کے لئے آمادہ ہونا پڑے۔ میں غریب ہوں اور بیکس، گدا ہوں اور ہیچ کارہ۔ لہذا مجھے زندہ رہنے دیجئے اور اپنے لطف و کرم کی بے پایاں بارش سے مٹا دینے اور تباہ کرنے کی کوشش

نہ کیجئے اس لئے کہ ایک "سوگوار" محبت اور ایک "سوگوار غم" کو بھی دنیا میں زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔

میرا مقصد اس تمہید سے آپ کو ٹھکرانا نہیں اور نہ آپکی محبّت کی توہین کرنا ہے، آپ یقین کیجئے کہ میری روح تک "غمزدہ محبت" ہے نہ کہ دل جو صرف خون کا ایک لوتھڑا کہلائے جانے کا مستحق ہے، آپ اگر واقعتاً محبت کرتی ہیں ایسی محبت جو تصویر کی ظاہری رعنائیوں اور دلفریبیوں سے متاثر ہوکر نہیں پیدا ہوئی ہے اور دو جسموں کے باہمی اتصال اور دو لبوں کے بار بار لمس سے ایک عارضی لذت اور حلاوت کو حاصل کرنے کے لئے نہیں موسوم کی جا سکتی ہے تو اس سے زیادہ محبت کیجئے اور محب سے محبوب بننے کی کوشش کیجئے۔ کیونکہ "محب ہو جانا گویا خدا ہو جاتا ہے"۔ کس قدر بہتر اور کتنا پیارا خیال ہے کہ "خدا محبوب پر رشک کرتا ہے"۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ کا یہ اظہار محبت ایک وقتی جذبہ ہے اور صرف شباب کی نہ زیر ہونے والی خواہشات کا تقاضہ جو نہ تو ثبات ہی رکھتا ہے اور نہ حقیقی معنی میں محبّت، آپ مجھے معاف فرمائیگی اگر میں یہ لکھ دوں کہ وہ محبّت محبّت کہلانے کی مستحق نہیں جو فنا ہو جانے والی خوبیوں کے ساتھ خود بھی فنا ہو جائے۔ محبت ایک غیر فانی چیز ہے اور غیر محدود۔ اسی طرح روح بھی غیر فانی ہے لیکن

حسن وشباب کی رعنائیاں فانی ہیں اور محدود وقت تک قائم رہتی ہیں۔ لہذا محبت کیجئے روح سے کہ وہ دونوں غیر فانی ہیں۔

اب مجھے آپ کی ایک غلط فہمی دور کرنا ہے۔ وہ یہ کہ میری تصویر ملاحظہ فرمانے کے بعد مجھے حسین وجمیل کہنا صرف آپ کے "بتکدۂ خیال" کی جلوہ آرائیاں ہیں ورنہ حقیقت اسکے برعکس ہے اس لئے کہ میں اس نعمت سے بھی محروم ہوں۔ البتہ تصویر کے شعر پر آپ نے جو تنقید کی ہے وہ از حد دلچسپ ہے اور میری تعریف سے بالا تر ہے افسوس ہے کہ خط کی طوالت اور آپ کی افسردگی کا خوف مانع ہے ورنہ کچھ زیادہ عرض کرتا۔ لہذا مختصر سنئے۔ خدا کرے کہ آپ برا نہ مانیں۔ آپ کی صنف ستانے اور برباد کرنے کے سوا کچھ جانتی نہیں۔ دیکھئے نا کہ مصر کے در و دیوار آج بھی "کلوپٹرا" جیسی حسن کی دیوی کی سفاکانہ اور عشاق کش داستانیں اور افسانہائے محبت کو بہ آواز بلند دھرا رہے ہیں اور عالم میں منادی کر رہے ہیں کہ عورت اگر ایک طرف عطر و روشنی اور پھول کے مجموعہ کے نام ہے، دوسری طرف وہ سنگدل جفا پیشہ اور ظالم بھی ہے۔ اس کا وجود صرف اس لئے ہوا ہے کہ وہ دنیا میں ایک تلاطم پیدا کر دے۔ زمانے کے لئے ہلاکت و بیتابی

کے اسباب فراہم کرے اور بس۔ ان واقعات سے دنیائے عورت کی تاریخ آج تک داغدار چلی آرہی ہے۔ میں تو نہایت صفائی سے کہتا ہوں کہ اللہ جس کو اچھی صورت دے اُس کو ظالم و سفاک نہ بنائے۔

اب آپ ہی بتائیے کہ میں کیسے آپ کو معصوم۔ مظلوم۔ بیکس اور افسردہ دل سمجھوں۔ میں نہ شادی شدہ تھا نہ ہوں اور نہ آیندہ ایک نامعلوم وقت تک کے لئے تیار۔"

"شہاب"

خط لکھ کر شہاب نے روانہ کر دیا لیکن پیکر کے خطوط برابر آیا کئے جنھیں وہ بدستور محفوظ کرتا رہا۔ اس میں اکثر ایسے خطوط بھی تھے جنھوں نے شہاب کو بغیر متاثر کئے نہ چھوڑا اور اُس کے دل میں پیکر کی طرف سے ایک خاص قسم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ وہ پہلے سے اب بہت زیادہ متفکر اور پریشان نظر آنے لگا تھا۔ اور یہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ پیکر کی محبت آمیز تحریریں میرے خفتہ جذبات کو ایک دن ضرور بیدار کر دیں گی اور ضرور میرا سکون چھین لیں گی لیکن اُس نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر پیکر نے خط کے جواب میں پھر اظہار محبت کیا تو وہ قطعاً خاموشی اختیار کرتے گا۔

(۳)

پیکر ایک شریف اور متمول خاندان کی چشم و چراغ تھی اور اپنے

والدین کی سب سے چھوٹی اور اکلوتی بیٹی ہونے کے سبب سے خاندان کے تمام افراد کو بہت عزیز تھی اُس کے دو بڑے بھائی تھے جس میں ایک تو علیگڈھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور غالباً شہاب سے واقف بھی تھے۔ اُن سے چھوٹا بھائی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ جہاں پیکر نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے والدین ایک لکھ پتی تعلقدار ہونے کے علاوہ دولت آصفیہ کے سچے ہی خواہ تھے اور حیدر آباد میں کسی بلند عہدہ پر سرفراز بھی تھے وہ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی تھے اور گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے "سر" کا ٹائیٹل بھی پا چکے تھے۔ اُن کے ایک بھائی برما میں بہت بڑے اور ذی عزت تاجر تھے اور اُن ہی کے پاس پیکر اپنی چچا زاد بہنوں کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ پیکر کے خاندان کے تمام افراد اعلیٰ تعلیمیافتہ تھے اور نہایت آزاد خیال۔ اُس کی خود بھی تعلیم بہت عمدہ تھی اور شعر و سخن کا کافی ذوق رکھتی تھی۔ اس کا اکثر وقت ادبیات کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اور یہی اُس کا محبوب ترین مشغلہ بھی تھا کبھی کبھی وہ خود بھی مضامین نظم و نثر لکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن ہمیشہ تلف کر دیتی تھی محض اس لیے کہ وہ اس کے معیار پسندیدگی کے لحاظ سے پست ہوتے تھے۔

پیکر اسم بامسمیٰ تھا اور حقیقتاً حسینہ ہی کہلائے جانے کی مستحق تھی۔ کتابی چہرہ جس کے خد و خال نہایت موزوں، آنکھیں نہایت نشیلی اور

سُرمگیں تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن میں بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں۔ ہونٹ ایک گلاب کی پنکھڑی سے زیادہ نازک۔ بائیں رخسار پر ایک تل، اور رنگ سُرخ و سپید تھا۔ اعضا کے لحاظ سے سراپا تناسب و موزونیت تھی۔ سر سے پاؤں تک لوچ ہی لوچ، ہر ادا نشاط بخش اور سحر انگیز، محبت کی پذیرائی میں ہمہ تن درد، آہ، اور کراہ۔ اور ذہنیت کے اعتبار سے یکسر، شعلۂ جوالہ۔ غرض کہ وہ حسین تھی اور ایسی معلوم ہوتی تھی گویا یونان کے عہد زریں کا ایک مرمریں مجسمہ ہے۔

بیگم نے اوّل اوّل جب شہاب کا مضمون "شبہائے فراق کی سرگذشت" دیکھا اور کسی دوسرے رسالہ میں "خیالات پریشان"۔ اور "اوراق دل" کے عنوان سے نظمیں دیکھیں تو اُس کے دل میں کسی خاص قسم کا جذبہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ ملک کو ایسے ہونہار نوجوان کی قدر کرنا چاہیئے لیکن چند روز بعد وہ اس کے ایک افسانے سے متاثر ہوئی اور جب اُس نے اُس کی تصویر دیکھی تو دفعتاً اُس کے خیالات اور جذبات میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ بہت عرصہ تک تو وہ اس چنگاری کو دبائے رہی لیکن اس وقت اس کی آگ میں زیادتی ہو گئی جبکہ چاروں طرف سے اُس کی شادی کے پیغامات آنے لگے اُس نے صورت حال پر غور کیا تو وہ کانپ گئی اور اُسے اپنی زندگی کی تباہی کے سامان نظر آنے لگے۔ اس لئے کہ وہ اپنی تمام آرزوئیں شہاب سے وابستہ کر چکی تھی۔ لہٰذا اُس نے شہاب سے پہلے تو اجازت طلب کی اور اُس کے بعد

مسلسل خطوط میں اظہار محبت کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جب شہاب کا مفصل خط اس کے مسلسل "مکتوبات محبت" کے جواب میں ملا تو اس کے غم و رنج کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

شہاب کا خط پڑھنے کے بعد پیکر کے دل میں فطرتاً اس کی طرف سے جذبۂ نفرت پیدا ہو جانا چاہیئے تھا۔ اور اس کو خاموش ہو جانا چاہیے تھا لیکن نہیں اس کے دل کی آگ پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھی اور ایک سرد آہ بھر کر کہنے لگی کہ "شہاب اگر میرا نہ ہوا تو نہ سہی، لیکن پیکر اگر دنیا میں شہاب کی نہ ہوئی تو وہ پھر کسی دوسرے کی بھی نہیں ہو سکتی۔ میرا تمام گوشت و پوست اور جسم کا ایک ایک عضو شہاب کا ہے اور اسی کا رہے گا۔" یہ کہہ کر اس نے چاقو سے اپنے بازو میں خراش ڈال کر شہاب کے طویل خط کا جواب اپنے خون سے لکھنا شروع کیا اور اس وقت تک لکھا کی جب تک اس نے پورا خط ختم نہ کر لیا۔

ایک دن سہ پہر کو جب کہ ہلکی بارش نے موسم کو بہت خوش گوار بنا دیا تھا اور آسمان کی لاجوردی فضا بالکل صاف تھی۔ شہاب اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا "لائٹ آف برما" کا مطالعہ کر رہا تھا کہ "پوسٹ مین" نے شام کی ڈاک میز پر رکھ دی جس میں پیکر کا وہ خط بھی موجود تھا جو اس نے فضائی ڈاک سے روانہ کیا تھا اور خون آلود تھا۔ شہاب نے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر جب پڑھنے کا قصد کیا تو اسے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ خط میں قطرات خون موجود ہیں۔ اور اس کی

تمام تحریر خون آلود ہے۔ اس کے جسم میں ایک کپکپی سی پیدا ہو گئی اور وہ تھوڑی دیر کے لئے بالکل مضمحل ہو کر کرسی پر دراز ہو گیا۔ چند منٹ گذرنے کے بعد جب اسے کچھ سکون ہوا تو اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔

ظالم شہاب!

یہ ضروری نہیں کہ اگر کسی نے تمھارے آئینہ دل کو بیوفائیوں اور جفا کاریوں کی ناقابل برداشت چوٹوں سے چور چور کر دیا ہے تو اس کا انتقام اُن معصوم ہستیوں سے بھی لو جو کسی طرح اس کی مستحق نہیں ہیں۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے جو جذبات تم سے وابستہ ہو چکے ہیں اُن کا تعلق کسی خیالی و وہمی دنیا سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ یکسر دنیاوی معاشرت سے متعلق ہیں میں تم سے محبت کرتی ہوں اور وہ بھی اس قدر شدید کہ اب بغیر تمھارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ میرا قرار بیچینی و اضطراب میں مبدل ہو چکا ہے۔ میں اپنے دل میں محبت کی آگ کو باوجود ضبط کرنے کے بھی نہایت تیزی سے بڑھتے ہوئے محسوس کر رہی ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ اس دو سال کے عرصہ میں میں فراق کی تمام لذتوں سے بھی آشنا ہو چکی ہوں اور اب صرف :-

"ایک مرگ ناگہانی اور ہے"

سو وہ بھی کچھ دور نہیں۔ اگر تمھاری بے اعتنائیاں یا تمھارا

استغنا اسی طرح قائم رہا۔ میں اچھی طرح واقف ہوں کہ روح سے وہی شخص محبت کر سکتا ہے جس میں بجائے روح کے محبت ودیعت کی گئی ہو۔ چنانچہ میں تم کو اس کا اہل سمجھتی ہوں۔ اور اسی وجہ سے تمہارے لئے بیتاب و مضطرب ہوں۔ ورنہ دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو صورت، دولت و امارت کو دیکھ کر محبت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ایسے نفوس کم ہوتے ہیں جو روح سے محبت کرتے ہیں۔ لہذا تمہارا یہ خیال کرنا کہ میں تصویر کی ظاہری رعنائیوں سے مفتوح ہو کر اظہار محبت کر رہی ہوں۔ غلط ہے تم دولت مند نہیں ہو، غریب سہی۔ تم حسین نہیں ہو، نہ سہی۔ لیکن میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ تمہاری روح غیر معمولی حسین ہے۔ اور تمہاری سیرت نہایت پاکیزہ۔ اچھے شہاب! میں تو محبت کی بھوکی ہوں۔ اور تمہارے ہی سامنے دامن پھیلا کر تم سے اور صرف تم سے محبت کی بھیک مانگتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ تم اس بھکارن کی التجا مسترد نہ کرو گے ورنہ حشر کے دن:۔

"ہاتھ ہوگا مرا اور آپ کا داماں ہوگا"

لیکن نہیں، میں آخرت کا سودا کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اگر تم نے میرے جذبات کو پامال کرنے اور میری محبت کو ٹھکرانے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے تو یاد رکھو کہ قیامت صغرا کچھ دور نہیں

لہذا جو کچھ تم اُس وقت کے آنے کے بعد کر سکتے ہو کیوں نہیں اس سے پہلے کر لینے ۔ میں تم کو یہ بھی یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں طبقۂ نسواں کے اُن افراد میں سے نہیں ہوں جو کسی وقتی جذبہ کے ماتحت صرف حال کی پرستش کرنے لگتی ہیں ۔ جس کا تم اپنے خط میں اظہار بھی کر چکے ہو ۔ میرے سامنے تو مستقبل ہے اور اُسی کو سنوارنے کے لئے میں تم سے ایک مستحکم رشتۂ مواصلت قائم کرنا چاہتی ہوں ۔ اس لئے کہ میرے جذبہ میں استقلال ہے اور وہ کسی صورت میں بھی نہیں مٹ سکتا ۔ لہذا میری زندگی کا انحصار اب صرف اسی کی تکمیل پر ہے کہ تم میرے اور صرف میرے بن جاؤ ۔

اب مجھے تمھارے ایک اُس خیال کی بھی تردید کرنا ہے جس کا اظہار میں تمھارے لکھے ہوئے افسانہ " ناکام مصور " میں عرصہ ہوا دیکھ چکی ہوں کہ فطرت نسواں غور و فکر سے بالکل بے نیاز ہوتی ہے ۔ وہ صرف حال سے متاثر ہوتی ہے اور ماضی و مستقبل اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے ۔ یعنی وہ گذرے ہوئے واقعات کو افسانہ سمجھ کر بہ آسانی بھول سکتی ہے اور مرد ہمیشہ اپنا ماضی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور بقول تمھارے وہ اسی کو اپنا سرمایۂ حیات بھی سمجھتا ہے ۔ لیکن کیا تم کو اس کا بھی علم ہے کہ مرد اغراض کا بندہ ہے ۔ خواہشات اور نفسانیت کا غلام ہے ۔

وہ فطرتاً دنیاوی مخمصات کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اسلئے
کہ وہ دنیائے عمل میں ایک کام کرنے والی ہستی ہے۔ لہٰذا اسکے
خیالات مختلف مشاغل میں مصروف رہنے کی وجہ سے تبدیل
ہو جاتے ہیں۔ اور چند روز کے بعد وہ پھر خوشگوار زندگی بسر کرنے
لگتا ہے بر خلاف اس کے کہ عورتوں کی تمام زندگی وفا و محبت کی
مکمل تاریخ ہے۔ دل اُس کی دنیا ہے۔ ایسی دنیا جس میں حکومت
کی تمنا ہوتی ہے اور اُس حکومت کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی
تمام روحانیت کو وقف کر دیتی ہے لیکن وہ اگر اپنی محبت میں ناکام
رہتی ہے تو پھر اُس کے نزدیک زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔
اِس لئے کہ دل کی ویرانی اُس کی روح کو تباہ کر دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ عورت کی دلچسپیاں اور اُس کے مشاغل مرد کے
مقابلہ میں بہت محدود ہیں وہ بالعموم ایک گوشہ میں تنہا رہ کر
اپنے لمحات زندگی کو نہایت خاموشی کے ساتھ گزار دیتی ہے۔
اُس کے کلیجہ میں افسانہائے ماضی کی یاد ہر وقت چٹکیاں لیا
کرتی ہے اور اُس کے دل و جگر میں نیل ڈال دیا کرتی ہے۔
غرضکہ یہ ہیں فطرت نسوانی کے متعلق میرے ناہر بوط
خیالات جنھیں ماننے کے لئے شاید تم تیار نہ ہو۔

"حسینہ بیگم بیگ"

خط پڑھنے کے بعد شہاب کی جو کیفیت ہوئی ہے اُس کا اندازہ کرنا

بہت مشکل ہے۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا اور غور کر رہا تھا کہ اگر یہ تحریر واقعتاً پیکر نے اپنے خون سے لکھی ہے اور صرف متاثر اور مفتوح بنانے کے لئے کسی جانور کے خون سے نہیں لکھی ہے تو یہ جذبہ کسی حد تک خطرناک بھی سمجھا جا سکتا ہے اس لئے کہ اکثر عورتیں اور مرد اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں سے عاجز آ کر اُن افعال کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں۔ جنھیں دنیا کسی طرح مستحسن نہیں تصور کرتی۔ بالخصوص عورت کہ وہ اکثر اپنی محبت، اپنے ارمان اور اپنی تمناؤں کا خون ہوتے دیکھ کر اُس خطرناک اور گرسنہ شیرنی کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو کسی وقت اپنے بچوں کو پھاڑ ڈالتی ہے۔ اور خود کو بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی اُس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور وہ اس خیال سے بھی کانپ اُٹھا کہ کہیں واقعتاً انتقامی صورت نہ اختیار کر لیں۔ اُس نے خط کو متعدد بار پڑھا اور تمام رات نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ بسر کی اور بالآخر دوسرے دن یہ چند سطریں لکھ کر روانہ کر دیں۔

"پیکر جمیل"

آپ کی تحریریں آج سے قبل ہی مجھ پر جو کچھ اثر کر چکی ہیں وہی کیا کم تھیں کہ آپ نے آج مجھے متاثر اور مفتوح کرنے کیلئے ایک نئی حرکت کی جو کم از کم میرے لئے ناقابل برداشت ہے حالانکہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ دل جب لذت یاب محبت ہو جاتا ہے تو اُس میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب سے

محب کو شدید ترین تکالیف کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ خواہ وہ اپنے جسم کے نازک سے نازک عضو کو بھی کیوں نہ قطع کر ڈالے۔ بہر حال میں آپ کی خون آلود تحریر سے متاثر ہو کر آپ کے طویل خط کا جواب نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ وہ ایک دوسرا جذبہ ہے جس کا انحصار صرف قوت متخیلہ پر موقوف ہے، تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل جذبات محبت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ جس دَور سے آپ گزر رہی ہیں اُسی دَور میں مَیں خود کو بھی مبتلا پا رہا ہوں۔ بتائیے کہ مَیں آپ کی کوئی خدمت کیونکر کر سکتا ہوں۔

"شہاب"

(۴)

پیکر کو جس وقت شہاب کی یہ تحریر ملی تو اُسے یہ توقع نہ تھی کہ شہاب "اعتراف محبت" کرے گا۔ وہ از حد مسرور تھی اور بار بار اپنی آنکھوں کو مل کر تحریر کو دیکھتی تھی کہ کہیں اُس کی آنکھیں تو اُسے فریب نہیں دے رہی ہیں جب اُسے یقین ہو گیا تو اُس نے مع اپنی تصویر کے جواباً لکھ بھیجا:۔

"تصویر حاضر ہے۔ دشمن اس صورت کو مٹا سکتے ہیں لیکن میری محبت کو نہیں مٹا سکتے، میں آپ کے پہلو کو داغدار بنا سکتی ہوں لیکن آسانی سے نہیں بلکہ ذلیل و رسوا ہو کر لہٰذا میں جواب

Nankana
Sahib.
...ARY

کی منتظر ہوں اور آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہے۔"

شہاب کو تصویر اور یہ تحریر ملنے کے بعد بالکل تعجب نہ ہوا اسلئے کہ اُسے یہ کامل یقین تھا کہ پیکر کی طرف سے اگر اُس کی تحریر کا کوئی جواب ہو سکتا تھا تو صرف یہی کہ "میں آنے کو تیار ہوں" البتہ تصویر دیکھنے کے بعد اُسے سخت تعجب ہوا۔ اس لئے کہ وہ عالمِ خیال میں بارہا اس مجسمہ کو اپنی نگاہوں کے سامنے پھرتا ہوا دیکھ چکا تھا اور ایسا محسوس کر رہا تھا کہ وہ بارہا "صاحب تصویر" کو دیکھ چکا ہے اور اُس کی باتوں سے بھی لطف اندوز ہو چکا ہے۔ اُس نے تصویر پر یہ شعر لکھ دیا ؎

برپا کیا ہے شوخیِ تصویر نے تری
ہنگامہ اِک سکوت کا محشر کہیں جسے

شہاب نے تصویر کو نہایت خوبصورت فریم میں لگا کر اپنی میز پر لگا دیا اور ایک مختصر تحریر اُس کے خط کے جواب میں لکھ کر بھیجدی۔

میں دنیا میں بدنام اور رسوا ہو کر زندہ رہنے سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں اور اس مقولہ کا پابند ہوں کہ "ہر چہ خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند" لہذا آپ میرے پاس آنے کے بجائے اپنے والدین کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ میں اپنی طرف سے کوئی تحریک بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ نفی میں جواب میرے لئے خودکشی کا باعث ہوگا۔ اور نہ آئندہ آپ کسی وقت یہ خیال دل میں لائیے گا کہ میں جذبہ محبت سے مغلوب ہو کر آپ کو

لکھ بھیجوں گا کہ "چلی آیئے"

"چشم ما روشن دلِ ما شاد"

"شہاب"

جس وقت پیکر کو یہ تحریر ملی ہے تو اُسے شہاب کی ان باتوں سے سخت تکلیف ہوئی اور یہ خیال کر کے اُسے از حد مسرت بھی ہوئی کہ شہاب کو دوسروں کی رسوائیوں اور بدنامیوں کا بھی کافی احساس ہے لیکن آہ - میرے والدین کو کیوں اس کا احساس ہونے لگا کہ وہ میرے جذبات کا خیال کریں اور میری مرضی کے موافق میری زندگی کے آئندہ دور کو روشن بنانے کے لئے اسی کے ساتھ رشتۂ مواصلت قائم کریں جس پر میں دنیا کی تمام لذتوں اور مسرتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار رہوں - وہ تو ایک ایسے شخص کے ساتھ میری زندگی وابستہ کرنا چاہتے ہیں جس کو نہ آداب مجلس سے واقفیت ہے اور نہ اظہار محبت کا طریقہ معلوم - باوجود مُسن ہونے کے ناتجربہ کار، غمگین صورت، اور زاہد خشک ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی "قبرستان کا مجاور" آہ! لڑکیوں کے شوہروں کا انتخاب بالعموم ناجائز جذبات ہی کے ماتحت کیا جاتا ہے اور یہ خود غرض والدین کبھی یہ غور کرنے کی زحمت نہیں کرتے کہ اُن کے بیجا اور غیر معقول انتخابات سے لڑکیوں کی زندگیوں پر کتنا برا اثر پڑتا ہے اور وہ اُن کے جذبات کو کس کس طرح کند چھری سے ذبح کرتے ہیں اور لڑکیاں محض اس خیال سے

اپنے جذبات اور احساسات کا خون ہوتے دیکھ کر خاموشی اختیار کر لیتی ہیں کہ اگر ذرا بھی زبان کو جنبش ہوئی تو سب سے پہلے بے عزتی بے حیائی اور نامعقولیت کا فتویٰ صادر ہو جاتا ہے اور اُس کے بعد تو وہ خدا معلوم کیا کیا آفتیں ڈھاتے ہیں اور اُن پر نہ معلوم کیسے کیسے مظالم کرتے ہیں۔"

پیکر ایک صوفہ پر لیٹی ہوئی ان ہی خیالات میں غرق تھی اور اُسکے چہرے پر غم وغصہ کے آثار نمایاں تھے۔ دفعتاً اُس کی نرگسی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اُس کے حسین رخساروں پر مچلتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ اُس نے ایک سرد آہ بھری اور اشک آلود نظروں سے شہاب کی تحریر کو دیکھتے ہوئے قلم اُٹھایا اور لکھنا شروع کیا:۔

"شہاب"!

مجھے تمھاری تحریر سے تکلیف تو ضرور ہوئی، لیکن اُسی کے ساتھ میں یہ خیال کر کے مسرور بھی ہوں کہ تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔ ورنہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جن کی روح داغدار ہونے سے محفوظ ہو۔

میں تم کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ عموماً دولتمند زیادہ حریص ہوتے ہیں اور کافی دولتمند ہونے کے باوجود ان کی دلی خواہش اور منشائے طبیعت یہی ہوا کرتا ہے کہ کہیں سے اور بھی دولت

ہاتھ لگے تو اُسے بھی اپنے خزانہ میں جمع کر لیں اور اُن کا مقصد زیادہ تر اسی صورت میں پورا ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی معصوم اور بے زبان لڑکیوں کو ایسے شخص کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں جو اُن سے دولت میں زیادہ ہوا کرتا ہے حالانکہ وہ چراغ سحری ہوتا ہے، اس کے جسم سے کافور کی بو آتی ہے اور وہ "ذات پات" کے اعتبار سے نہ تو "نبی زادہ" ہوتا ہے اور نہ کسی دوسری معقول ذات کا انسان۔ اس کے تمام عیوب صرف دولت پوشیدہ کر دیتی ہے اور وہ دولت ہی دیکھ کر اپنی لڑکیوں کو اس "فرشتۂ جہنم" کے سپرد کر دیتے ہیں، آہ! کیسی کیسی قابل اور معصوم ہستیاں اس دولت کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں مگر ان حریصوں کا پیٹ کسی طرح نہیں بھرتا۔ اُن کو اپنی دولت پر بڑا غرور ہوتا ہے اور اسی دولت کے گھمنڈ پر وہ غریبوں کو حقارت کی نظروں سے بھی دیکھتے ہیں۔ تم شاید اسی وجہ سے خود تحریک کرنا نہیں چاہتے کہ تمھاری خودداری مجروح ہوگی اور میں تمھاری خودداری کا خون ہوتے دیکھ کر کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تمھاری کوئی معمولی سی التجا بھی پائے حقارت سے ٹھکرا دی جائے۔ لہذا میں تمھیں مجبور بھی نہیں کرتی۔ میں نے اسی وجہ سے خود تم کو کافی غور کرنے کے بعد یہ لکھا تھا کہ "میں آنے کے لئے تیار ہوں"۔ اس لئے کہ سوا اس کے کوئی دوسری تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پیارے شہاب! مجھے دولت سے کوئی غرض نہیں میں تمھاری ذات کو اپنے لئے مفید پاتی ہوں۔ اور تمام دنیا کی دولتوں کو تمھاری محبت پر ٹھکرانے کے لئے تیار ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمھاری محبت کو حاصل کرنے کے لئے خاندانی عزت وقار کی قربانی بھی کر سکتی ہوں۔ میں اچھی طرح غور کرنے کے بعد آج پھر یہ لکھ رہی ہوں کہ اگر میرے والدین کسی صورت سے اس رشتہ کو قبول بھی کر لیں تو دیگر اعزا ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ آہ! کاش میں کسی غریب کے گھر پیدا ہوتی اور اپنی محبت کو کامیاب دیکھتی۔

دیکھو شہاب! مرد کس قدر آزاد ہے اور عورت کس قدر پابند۔ حالانکہ یہ پابندیاں صرف سماجی ہیں مذہبی نہیں ہیں لیکن انھیں مذہب پر اس قدر سختی کے ساتھ ترجیح دے دی گئی ہے جس کی حد انتہا نہیں۔ ورنہ مذہب نے تو شادی کے معاملہ میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کو اس قدر آزادی دیدی ہے کہ اگر وہ انکار کر دیں تو کوئی شرعی جرم قائم نہیں ہوتا۔ لیکن افسوس ہے کہ اگر جانبین میں سے خدا نخواستہ کسی نے انکار کر دیا تو وہ دنیا میں منھ دکھانے کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ بالخصوص عورت کہ اگر اُس نے انکار کر دیا تو جہنم سے بدتر ہو جاتی ہے۔

کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ پابندیاں مظلوم عورت پر کس نے عائد کی ہیں؟ مرد نے، مرد کے بنائے ہوئے ظالم قوانین نے خود غرض مرد جو جانتا ہے کہ عورت کے پہلو میں بھی وہی دھڑکتا ہوا پارۂ لحم ہے جو اُس کے پہلو میں بھی دھڑکتا ہے اور دل کہلاتا ہے لیکن یہ جانتے ہوئے بھی وہ یہ نہیں سمجھنا چاہتا کہ اُس کی عائد کردہ سماجی قیود کی پابندیاں صرف عورتوں ہی کے لئے کیوں لازم قرار دی گئی ہیں۔ کیا قوی مرد کے مقابلہ میں کمزور، بیکس و مجبور عورت کی لاچاری کا احساس تم کو بھی نہیں ہے۔ اگر ہے تو پھر تم کیوں نہیں اجازت دیتے کہ میں تمھارے پاس چلی آؤں۔ لیکن نہیں، مَیں جانتی ہوں کہ تم ایسا ہرگز نہیں کروگے اس لئے کہ تمھارے جسم میں شریف خاندان کا خون ہے جس کو زمانہ کے نامساعد اتفاقات نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ لہذا تمھاری شرافت، تمھاری غیرت اور تمھاری حمیت کبھی اس بات کو گوارہ نہیں کرے گی کہ تمھارے قلم سے اس قسم کے الفاظ نکلیں۔ آہ! تمھارے ان ہی پاکیزہ خیالات اور تمھاری اس بہترین تعلیم و تربیت نے میری بےچینیوں اور بےقراریوں میں دوگنا اضافہ کر دیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کس وقت قفس کی تیلیاں توڑ کر تم تک پہنچ جاؤں۔ اور تمھارے قدموں پر سرنگوں ہو جاؤں تو کیا اُس وقت تم مجھے ٹھکرا دوگے؟

اچھے شہاب! نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا۔ میں تم کو آج سے بہت پہلے ہی قبول کر چکی ہوں اور خود کو تمھاری ہستی میں جذب کر چکی ہوں لہذا میں تمھاری ہوں اور تمھاری رہوں گی۔ میرے جسم کا ایک ایک عضو تمھارا ہے اور تمھارا ہی رہے گا۔ میں تمھاری امانت ہوں ایسی امانت کہ جس میں خیانت کا خیال بھی آنا کفر کے برابر سمجھتی ہوں میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ تم ہی میری تمناؤں، حسرتوں اور ارمانوں کے مرکز ہو۔ لہذا تم جو اور میری روح کو دنیا کی کوئی ہستی تم سے جدا نہیں کر سکتی اور نہ میں تم کو کبھی بھول سکتی ہوں۔

"حسینہ بیگم پیکر"

—(۵)—

شہاب پیکر کی اس تحریر سے بھی کافی متأثر ہوا اور اُس کا سینہ طوفان غم سے لبریز ہو گیا۔ اُس نے تحریر کو مکرر پڑھا اور کئی مرتبہ جواب لکھنے کی بھی کوشش کی لیکن صورت حال چونکہ بہت زیادہ نازک تھی لہذا اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔ اب اُس کے تمام مشاغل ترک ہو چکے تھے اور وہ ہر وقت متفکر رہنے لگا تھا۔ اُس کی گفتگوئیں خاموشی میں تبدیل ہوتی گئیں اور روزانہ اُس پر محویت اور استغراق کا عالم طاری ہوتا گیا۔ اُس کے احباب جو وقتاً فوقتاً اُس کے پاس آیا

کرتے تھے اُنھوں نے اُس کی خاموشی کے اسباب معلوم کرنے کی انتہائی کوشش کی، لیکن شہاب نے ہمیشہ علالت کا بہانہ کر کے ٹال دیا۔ اور کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ دنوں سے ہفتوں اور ہفتوں سے مہینوں گذر گئے، لیکن شہاب کی سوگواریوں میں کسی طرح کمی نہیں ہوئی۔ اِس درمیان میں بیگم کا بھی کوئی خط نہیں آیا۔ اور نہ دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے کی کوئی خبر ملی۔

بیگم چونکہ شہاب سے شدید محبت کرتی تھی اور تعلیم نے اُسے کسی حد تک آزاد خیال بھی بنا دیا تھا لہذا اُس نے ایک آخری کوشش کی کہ اُس کے خیالات کا علم اُس کے والدین کو کسی طرح ہو جائے ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ منسوب نہ کریں جسے وہ قطعاً پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ اُس نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن افسوس ہے کہ اُس کے والدین نے باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آزاد خیال ہونے کے بھی نہایت برہمی کے ساتھ اُس کی التجا کو ٹھکرا دیا اور اُس کی سخت نگہداشت کرنے لگے جس کے سبب سے شہاب کو بھی وہ بہت عرصہ تک کوئی تحریر نہیں بھیج سکی۔ حالانکہ بیگم کی محبت اور شہاب سے خط و کتابت کا علم سوا اُس کی رازدار خادمہ کے اور کسی کو نہ تھا۔

ایک دن سہ پہر کو جبکہ شہاب اپنے چند مخلص احباب کے ساتھ

بیٹھا ہوا شکسپیئر کی نظم "شاعر اور تاجر" پر تبادلۂ خیالات کر رہا تھا کہ اُسے ڈاکیہ نے شام کی ڈاک دی جس میں بیگم کا بھی ایک خط موجود تھا۔ لفافہ دیکھ کر اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ اور اُس کے جذبات میں ایک خاص قسم کی ہیجانی پیدا ہو گئی ایسی ہیجانی جس نے اُس کی روح کو بیقرار بنا دیا اور ایک منٹ کے لئے سکون کے ساتھ بیٹھنے نہیں دیا۔ آخر کار اُس نے احباب سے چند منٹ کی غیر حاضری کے لئے معافی مانگی اور وہ خط لے کر اندر چلا گیا۔ لفافہ چاک کیا تو اُس میں صرف یہ مختصر تحریر تھی کہ :۔

جان سے زیادہ عزیز شہاب!

"اس تحریر کے بعد تم کو غالباً میری کوئی تحریر نہیں ملے گی لہذا مجھے بواپسی ڈاک یہ بتا دو کہ ہم دونوں میں ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ لیکن خدا کے لئے تم "کلیوپیٹرا" کی داستان نہ دُھرانے لگنا"

"حسینہ بیگم بیگم"

شہاب نے تحریر کو متعدد مرتبہ پڑھنے کے بعد بیگم کی تحریر کے نیچے اسی پرچہ پر چند سطریں جواب میں لکھ دیں کہ :۔

"اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے پھولوں کو دولت و امارت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے والے انسان"

"طلائی اور نقرئی دھاتوں کے ٹکڑوں کو جمع کرنے والے

حریص بندے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے"۔
"جذبات اور اُن کی زندگیوں کو اپنے ناجائز اغراض پر قربان"۔
"کر دینے والے ظالم ـــ والدین ہیں اور اُن کے عزیز و اقارب۔
آہ! ہم دونوں مظلوم ہیں۔ لیکن میری حالت"۔ "آپ سے
زیادہ قابل رحم ہے اس لئے کہ آپ نے میرے خفتہ جذبات
میں اضطراب انگیز بیداری پیدا کرنا اپنا" فرض سمجھ لیا ہے"۔

"شہاب"

شہاب نے وہی پرچہ دوسرے لفافہ میں رکھ کر بند کر دیا اور اُس پر پتہ لکھ کر اُسی وقت ملازم کو لیٹر بکس میں ڈالنے کے لئے دیدیا۔ جس وقت اس کام سے فرصت پاکر شہاب باہر کمرے میں دوستوں کے پاس آیا ہے تو اُس کے جذبات میں ایک ہیجان برپا تھا چہرہ بالکل پژمردہ تھا۔ قدموں میں لغزش تھی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ تمام احباب اُس کی صورت دیکھ کر گھبرا گئے اور انھوں نے شہاب سے مسلسل سوالات کرنا شروع کر دیے لیکن شہاب آرام کرسی پر لیٹ کر بیہوش ہو چکا تھا۔

(۶)

ایک سہانی صبح دلکشی و رعنائی کے مکمل صفات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے عشرت منزل کی بلند در و دیوار پر مدھم روشنی ڈال رہی تھی۔ عشرت منزل کا گوشہ گوشہ مسرت اور شادمانی کے نغموں

سے گونج رہا تھا اور ہر شخص مسرور نظر آرہا تھا۔ لیکن پیکر جو شادی کی تقریب کی وجہ سے تنہا اپنے کمرہ میں "تصویرِ غم" بنی ہوئی بیٹھی تھی، اُس وقت بہت برہم تھی اور شہاب کی تصویر سے نہایت برہمی کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ:۔ او ظالم! میرے جسم کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سپرد کر دینے والے جلاّد! کیا خدا کی اِس وسیع آبادی میں تیرے شکار کے لیے ایک میں ہی اکیلی رہ گئی تھی۔ جو تو نے میرے سینے کو اپنے جور کا آماجگاہ بنالیا۔ آہ! لوگ مجھے دھوکا دے رہے ہیں اور ماں باپ مجھے تجھ سے چھین کر کسی دوسرے کی سونی آغوش میں ڈال دینے کے لیے تیار رہیں۔ مگر کیا میں اپنی آرزوؤں کا جنازہ نکلنے دوں گی۔ اور اپنی حسرتوں، ارمانوں اور تمناؤں کا خون ہوتے دیکھ کر خاموش رہوں گی؟ میری آنکھیں تیرے چہرے کے سوا کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتیں۔ میں تیری ہو چکی ہوں اور تیری ہی رہوں گی۔ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ اگر میرے والدین مجھے دوزخ میں ڈھکیل رہے ہیں۔ میرے ایک ایک ردئیں کو غیر کے سپرد کر رہے ہیں اور محض اپنی ناجائز خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مجھے جہنم میں جھونکے دے رہے ہیں تو جھونک دیں۔ میں اپنی تمام مسرتوں کو اُن کی خوشیوں پر قربان کر سکتی ہوں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ میں اپنے دل کو جو تمام قیود سے آزاد ہے اُسے بھی فروخت کر دوں

اور

دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور اُس کی رازدار خادمہ چائے کی کشتی لے کر کمرے میں داخل ہوتی ہے پیکر اُسے دیکھ کر خاموشی اختیار کر لیتی ہے اور بصد اصرار چائے نوشی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اُس کا وہ حسین جسم جو پہلے بھی بہت نازک تھا، اب زیادہ خطرناک حد تک نازک ہو گیا تھا اور اس آبگینہ نے نہایت ہی نازک حباب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اُس کا وہ رنگ جو کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جلد کے نیچے پگھلا ہوا سونا دوڑ رہا ہے۔ رفتہ رفتہ سفید ہو چکا تھا۔ وہ اب بہت مضمحل ہو گئی تھی اور اُس کی محبت حرارت کی اُس منزل تک پہنچ چکی تھی، جس کے بعد کائنات کی ہر چیز صرف دُخان ہو کر فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

پیکر چائے پی چکی تھی لہٰذا خادمہ نے چائے کی کشتی اُٹھائی اور ایک خط دیکر نہایت خاموشی سے کمرے کے باہر چلی گئی۔ پیکر نے لفافہ چاک کیا تو اپنی تحریر کے نیچے شہاب کی تحریر پائی جو اُس کی تحریر کے جواب میں شہاب نے لکھی تھی۔ پیکر نے اس تحریر کو متعدد مرتبہ پڑھا اور یہ کہتے ہوئے کہ "میری تحریر کا جواب اِس سے زیادہ معقول نہیں ہو سکتا"

میز کی دراز سے پستول نکالا۔ اور فوراً اپنی کنپٹی سے لگا لیا۔ ایک دھماکے کی آواز ہوئی اور عشرت منزل کے ہر در و دیوار

سے سوگواری برسنے لگی۔ مسرت و انبساط کے نغمے ماتمی چیخوں میں تبدیل ہو گئے اور تمام خویش و بیگانے شادی کی مسرتوں کو قلب کی انتہائی نشیب میں چھپائے ہوئے آنسو بہانے لگے۔ لیکن آہ! مرنے والے کے نزدیک اب یہ سب کچھ بعد از وقت تھا اور بالکل بے سود ــــ

کمرے میں مہمانوں کا کافی ہجوم ہو چکا تھا۔ ایک کرسی کے قریب پیکر کی لاش پڑی ہوئی تڑپ رہی تھی۔ پستول ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا تھا اور میز پر چاک کئے ہوئے لفافہ کے پاس شہاب اور پیکر کی تحریر پڑی ہوئی تھی۔

اس واقعہ کو گزرے ہوئے دو سال سے زیادہ ہو چکا ہے اور پیکر کے واقعہ خودکشی کو دنیا فراموش بھی کر چکی ہے، لیکن شہاب کی سوگواریاں بدستور قائم ہیں۔ اُس نے اپنے اوپر دنیا کی تمام لذتیں حرام کر لی ہیں۔ اور اپنے تفریحی مشاغل بھی ترک کر دئے ہیں۔ اگر شادی کے لئے اُسے مجبور کیا جاتا ہے تو وہ یہ جواب دیدیتا ہے کہ:۔

"میں اپنی زندگی سے دوسروں کی زندگی کو زیادہ بیش قیمت سمجھتا ہوں۔ پھر کیوں کسی کی زندگی کو اپنے دامن سے وابستہ کروں اور اُسے اپنا شریک غم بنا کر اُس کی زندگی کو بھی سوگوار بناؤں جبکہ میں کسی کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتا۔"

اب رہا "ترک سنّت رسول" کا سوال ـــــ تو آپ لوگوں کا یہ خیال ہی میرے نزدیک بالکل مہمل ہے ـ ظاہر ہے کہ فرائض خدا پر سنن رسول کو کبھی ترجیح نہیں دی جا سکتی اور جب ترجیح نہیں دی جا سکتی تو پھر مذہب کی آڑ لے کر مجھے کیوں ذبح کیا جاتا ہے جب کہ مجھ سے فرائض ہی حقیقی معنے میں نہیں پورے ہوتے "

شہاب اب دنیا کے نزدیک دیوانہ ہے لیکن ایسا دیوانہ جس کی دیوانگی بھی اُس کے احباب کو محبوب ہے محض اس لئے کہ اُس کے دیوانہ ہو جانے کے بعد جس قدر رنگینیاں اُس کے فلسفہٗ پسند مذاق میں بڑھ گئی ہیں اُس کی نظیر ملنا اس دنیا میں ناممکن ہے۔ غرض کہ اب وہ در دہے بے پروائے درماں اور اضطراب ہے بے نیاز سکون ۔

جلوۂ بیجا کی سحرکاریاں

"شاہدانِ بازار" کے خلاف ایک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ہر متمدن ملک میں سیکڑوں ادیبوں اور انشا پردازوں نے متعدد مضامین - افسانے و ڈرامے قلمبند کیے ہیں اور اُن کے خلاف بہت زیادہ زہر اُگلا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی نے بہ نظرِ تعمق کبھی یہ غور نہیں کیا کہ "واقعتاً سماج کے لئے طوائف خطرناک اور مجرم ہے یا سوسائٹی خود مجرم ہے اور خطرناک" اور اگر صرف ہماری سوسائٹی ہی خطرناک اور مجرم ہے تو پھر وہ اس "طبقۂ بازار" کے خلاف صدائے احتجاج کیوں بلند کرتا ہے" چنانچہ یہ افسانہ اسی موضوع پر احاطہ تحریر میں آگیا ہے جو درحقیقت کسی کی دل آزاری کی غرض سے نہیں لکھا گیا ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ میں نے نہ طبقہ

توہی کو مطعون کر کے "طبقۂ بازار" کی طرفداری کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ میرا مقصد "طبقۂ بازار" کے کسی خاص فرد سے انتقام ہی لینا ہے۔ یہ میں محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ افسانہ پڑھنے کے بعد اکثر حضرات اس قسم کے بیجا خیال قائم کر لیں گے جو اُن کی سراسر غلط فہمی ہے۔ کیونکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے "لعبتکدۂ دماغ" کا ایک فلسفیانہ استدلال ہے اور اب یہ میرے دل و دماغ سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ لہذا اُس کی آتش ریز صداقت اگر احساس صحیح کی روح پھونکنے کے عوض اب بھی کسی کے دل میں شعلۂ غیض و غضب بھڑکا دے اور اُس کے دہن شیریں سے بجائے آب حیات رسنے کے اگر کچھ جلتی ہوئی گالیاں ٹپک پڑیں تو میں اُنھیں بھی اپنی دماغ سوزی کا جائز صلہ سمجھ کر قبول کرنے کے لئے تیار رہوں۔ اور بفرض محال اگر اس طرح بھی اُنکے دل کی بھڑاس نہ نکلے تو میں یہ عرض کرنے کے لئے مجبور ہوں کہ حقیقت کا اظہار اگر جرم یا گناہ تصور کیا جاتا ہو تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہوں"۔

(شعلہ وارثی)

(۱)

شعیب نے نہایت برہمی کے ساتھ اپنے قدموں پر سے طاہرہ کا سر ہٹاتے ہوئے گرجتی ہوئی آواز سے کہا۔

"تمھیں شرم نہیں آتی طاہرہ! کہ میں مرد ہو کر اپنے جذبات پر قبضہ رکھتا ہوں اور تم عورت ہو کر بھی اپنی آگ کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ لیکن نہیں میں سمجھتا ہوں کہ تمھارا یہ بھی ایک کھلا ہوا فریب ہے اور اس میں بھی تمھاری کوئی مصلحت ہے۔ میں تمھاری اِن حرکتوں سے متاثر ہو کر تم سے مفتوح ہونیوالا نہیں اور نہ تمھارے سامنے آسانی سے سر جھکا سکتا ہوں اُس وقت تک کہ میرے دل سے یہ احساس نہ مٹ جائے کہ تم ایک بازاری پھول ہو۔"

طاہرہ نے اپنی نمناک آنکھوں سے شعیب کو دیکھا اور رکھڑتے ہوئے پُردرد لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"سچ کہتے ہو شعیب! طوائف کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ میں نے تمھارے ساتھ کونسا طوائفانہ سلوک برتا ہے جس کی پاداش میں تم مجھے یہ سزا دے رہے ہو اور میری محبّت کی تحقیر کر رہے ہو۔ کیا یہ جذبہ "جذبۂ محبت" نہیں ہے جو مجھے تمھارے قدموں پر اپنا سر جھکا دینے کے لئے مجبور کر دیتا ہے؟ کیا اس میں خلوص نہیں ہے کہ میں تمھارے لئے ہر وقت بے چین رہتی ہوں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا ہے کہ تمھاری تصویر میری آنکھوں کے سامنے نہ پھرا کرتی ہو۔؟ کیا یہ میری محبّت نہیں ہے کہ میں تم سے

کبھی اِس قسم کی کوئی خواہش کا اظہار نہیں کرتی جسے تم پورا نہیں کر سکتے۔؟ شعیب رحم کرو اور خدا کے لئے میری زندگی کو برباد نہ کرو۔ ورنہ یہ محبت کی آگ میرے جسم کے ایک ایک عضو کو جلا کر خاک کر دے گی۔ اور اُس کے بعد......"

"اور اس کے بعد مجھے بھی تمھارے خیال سے ربالسوں پر افیون لپیٹ کر کھا کے سو رہنا پڑے گا۔ لیکن میں تم کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں مرنے کے لئے تیار نہیں اِس لئے کہ مَیں نے ابھی جی بھر کر گناہ نہیں کیا ہے۔"

شعیب نے جلدی سے مقراض سخن ہو کر مضحکہ خیز انداز میں اِس حملہ کو پورا کیا۔ جسے سُن کر طاہرہ نے شعیب کو نہایت حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اور اُس کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔ اُس کی آنکھیں جو ابھی تک آنسوؤں میں ڈبڈبا رہی تھیں غصہ کی وجہ سے سُرخ ہو گئیں اور اپنی محبت کا مضحکہ اُڑتے دیکھ کر غضبناک شیرنی کی طرح بھر گئی۔ اُس نے نہایت تیزی سے بڑھ کر شعیب کے شیروانی کا دامن پکڑ لیا جو شعیب کے پیچھے ہٹنے سے پھٹ گیا۔ اور اُسے اُس کا قطعاً علم بھی نہ ہوا اُس وقت تک کہ راستے میں مکان جاتے وقت کسی راہگیر نے یہ نہ کہا کہ:۔

"عصمت بچا ہی لے گیا دامن پھٹا ہوا"

شعیب نے اپنا دامن چھڑانے کے بعد نہایت متانت و سنجیدگی

کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

"طاہرہ۔ اگر مجھے خود اِس کا علم نہ ہوتا کہ طوائف کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوتی"۔ تو میں آج سے بہت پہلے "فریبِ اُلفت" میں گرفتار ہو کر تمھارے سامنے ہتھیار ڈال دیتا۔ اور تمھارے عشّاق کی فہرست میں اپنا نام بھی درج کرا کر تمھیں مسرور ہونے کا موقع دے چکا ہوتا۔ لیکن چونکہ تم خود آج اس کا اظہار کر رہی ہو کہ "طوائف کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوتی" تو پھر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں تمھارے اُن دعوہائے محبّت کا کیسے یقین کر لوں جن کا اظہار تم بارہا کر چکی ہو۔ اور اس وقت بھی جو کچھ تمھارے افعال۔ حرکات و سکنات اور باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے وہ بھی میرے نزدیک فریبانہ مصلحتوں سے خالی نہیں لیکن خیر، اگر میں یہ یقین بھی کر لوں کہ تم درحقیقت مجھ سے محبت کرتی ہو تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھیں شب کو میری موجودگی میں آرام سے نیند کیسے آگئی۔ ایسی حالت میں کہ میں تنہا فرش پر تمام شب لیٹا رہا اور تمھاری آنکھ نہ کھلی۔ اُس وقت تک کہ میرے نماز پڑھنے کی آواز نے تم کو بیدار نہ کیا"۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ اس کا سبب صرف مجرے کی تھکن اور تین شبانہ روز کی بیداری تھی اور تمھاری بیجا برہمی جس نے

مجھے خاموش رہنے اور سو رہنے پر مجبور کیا۔"

"لیکن میرے نزدیک تمہارا یہ عذر "عذرِ لنگ" سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ تم کو اگر واقعتاً مجھ سے محبت ہوتی تو میری تکالیف اور میری اُلجھنوں کا یقیناً احساس ہوتا اور میری برہمی کو جسے تم بیجا سمجھ رہی ہو۔ باوجود انتہائی پریشان ہونے کے بھی دُور کرنے کی کوشش کرتیں۔ طاہرہ مجھے روحی تکلیف ہوتی ہے جب تم اپنی زبان سے محبت ایسے پاکیزہ لفظ کا بار بار استعمال کرتی ہو۔ سنو۔ محبت کسی وقتی جذبہ کا نام نہیں ہے۔ اور نہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کا۔ تم صرف دو لبوں کے بار بار لمس اور دو جسموں کے باہمی انفصال کو محبت سمجھتی ہو، اور میں اسے جوانی کی نہ زیر ہونے والی خواہشات کا تقاضا سمجھتا ہوں۔ تم اسے وقتی دلچسپی کہو اور محبت کو بدنام نہ کرو۔ اس لئے کہ تم نہیں جانتیں کہ محبت کس جانور کا نام ہے؟ میں تم کو آج یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم میرے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی ناکام کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ میں دوسرے نوجوانوں کی طرح تمہاری دلچسپی کا کھلونا بن کر تم سے مغلوب ہونے والا نہیں اور نہ تمہارے اس فریب میں مبتلا ہونے والا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو"

یہ کہہ کر شعیب کمرے سے نہایت غصہ کے ساتھ نکل گیا اور طاہرہ

نے اُس کے جانے کے بعد ہی نہایت زور سے ایک قہقہہ لگاکر مسہری پر بیٹھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"خوب! تم مفتوح اور مغلوب نہیں ہوگے۔ خیر جاتے کہاں ہو شعیب! شب کو آؤ گے اس حال میں کہ تمہاری آنکھ سے آنسو جاری ہوں گے اور تمہارے سینے میں ایک آگ سی لگی ہوگی اور بفرض محال اگر نہ بھی آئے تو کوئی غم نہیں۔ اس لئے کہ جو تیر میں نے اس وقت چلائے ہیں وہ یقیناً خطا کرنے والے نہیں۔ وہ تم کو کم از کم آج تمام دن تو ضرور اس اُلجھن میں بتلا رکھیں گے کہ وہ طاہرہ جس نے ہمیشہ دوسروں کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی اور اپنا آلۂ تفریح بناکر اُن کی زندگیوں کو ہمیشہ کے لئے سوگوار بنا دیا۔ کیا وہ کسی وقت قدموں پر سر بھی رکھ سکتی ہے غرضکہ جو آگ میں اس وقت تمہارے کلیجے میں لگا چکی ہوں وہ صرف تمہارے ہی آنسوؤں سے نہیں بجھ سکتی۔ وہ تم کو یقیناً بےچین رکھے گی اور تمھیں کسی طرح سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

اس میں شک نہیں کہ مس طاہرہ کا یہ حملہ بہ نسبت دیگر حملوں کے بہت زیادہ خطرناک تھا بالخصوص شعیب ایسے نوجوانوں کے لئے جس کے پہلو میں ایک حساس دل تھا اور وہ بھی زخم خوردۂ اُلفت۔ چنانچہ وہ متاثر ہوا اور اُس پر تمام دن عشق کی بحرانی

کیفیت طاری رہی اور نہ معلوم کتنی مرتبہ آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوئے۔ وہ رویا اور اچھی طرح رویا۔ محض اس خیال سے کہ دل کی بھڑاس نکل جانے کے بعد دل و دماغ کو یقیناً کچھ سکون ہو جائیگا اور اس کے بعد وہ واقعات کے تاریک پہلوؤں پر غور کرنا شروع کرے گا کہ چالاک طاہرہ کا آج قدموں پر سر جھکا دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ وہ آج سے پہلے ہی نا معلوم کتنی حرکتیں ایسی کر چکی تھی جو اُس کی عادتوں کو خراب اور اُس کی زندگی کو سوگوار بنانے کے لئے کسی طرح کم نہ تھیں۔ اور اب تو اُسے اُس کی قطعاً امید بھی نہ تھی۔

دنیا میں اُمید و یقین کے خلاف کسی امر کا ظاہر ہو جانا اس قدر تکلیف دہ امر ہوتا ہے کہ بعض اوقات جنون و دیوانگی کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے شعیب کے کرب و اضطراب کا اندازہ لگانا آسان نہ تھا۔ وہ بہت دیر تک سر پکڑے بیٹھا رہا اور پھر اُٹھ کر سراسیمگی کی حالت میں ٹہلنے لگا۔ اگر اس کے آنسو نہ جاری ہو جاتے تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اُس کا یہ جوشِ الم کس حد تک خطرناک صورت اختیار کر لیتا۔ وہ بہت دیر تک طاہرہ کی محبت کے متعلق ایک خیالی کارگاہ قائم کرنے میں مصروف رہا یہاں تک کہ تمام دن اُسے اسی محویت میں صرف ہو گیا اور پھر دفعتاً کسی غیر معمولی تدبیر کے ذہن میں آجانے سے وہ اُچھل پڑا اور انتہائی مسرت کے عالم میں کہنے لگا۔

"آج طاہرہ کو یقیناً اپنی محبت میں ناکام رہنے کا احساس ہو چکا ہے اور اسی احساس نے اُسے آج میرے قدموں پر جھکنے کیلئے مجبور کیا ورنہ وہ طاہرہ جو نہ معلوم کتنوں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کر کے تباہ و برباد کر چکی ہے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے یہ خطرناک صورت نہ اختیار کرتی۔ اس لئے کہ وہ اپنی کسی معمولی خواہش کو بھی پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتی بہر حال جب اس کا یہ فریب ہی ہے تو پھر فریب ہی رہنا چاہئے، لیکن اس طرح کہ اُسے یہ احساس نہ ہو کہ یہ بھی اداکاری ہے عشق و محبت کی یا یہ جواب ہے ترکی بہ ترکی۔"

شعیب ایک متوسط الحال اور معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بھی بہتر تھا وہ فطرت کی طرف سے حد درجہ چلبلی اور بے چین طبیعت لے کر آیا تھا اور "اوباش" تھا۔ لیکن ایسا اوباش نہیں جیسے معلمانہ انداز میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اوباش اُسے کہتے ہیں جو جھوٹ بولتا ہو۔ شراب پیتا ہو۔ فریب دیتا ہو۔ والدین کی اطاعت نہ کرتا ہو۔ لوگوں کے حقوق نہ ادا کرتا ہو اور خدا سے نہ ڈرتا ہو یا جس کے اخلاق نہایت ذلیل ہوں جسے عزت و آبرو کا پاس نہ ہو اور جس کے وجود سے نظامِ تمدن کو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچے۔ بلکہ اِس کا "مفہوم اوباشی" اِن سطحی اور عامیانہ خیالات سے بہت زیادہ بلند تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "اوباشی" نام ہے صرف اس خیال کا کہ "جوانی دوبارہ نہیں

آتی"۔ اور جب دوبارہ نہیں آتی تو میں کیوں اپنی آرزوں اور تمناؤں کو عام لوگوں کی طرح صرف ایک ٹھنڈی سانس بھر کر برباد ہوتے دیکھوں اور کیوں نہ اپنی ہر اُس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام ذہانت اور اپنی پوری قوت صرف کردوں جو میرے دل میں کسی وقت پیدا ہو جائے غرضکہ اُس کے دل میں یہ خیال کہ "جوانی دوبارہ نہیں آتی"۔ ایک مستقل جنون تھا یا وہ اس کی قدر کرتا تھا اور اسی خیال کے ماتحت وہ اپنی معمولی سی معمولی خواہش کو کسی وقت مضمحل نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی واقعہ اس وقت تک کی زندگی میں ایسا نہ ملیگا جو اسکی ناکامی کی مثال میں پیش کیا جا سکے۔

شعیب نہایت بااخلاق۔ شائستہ اور مہذب نوجوان تھا اور اگر وہ بہت زیادہ حسین نہ تھا تو بدصورت بھی نہ تھا۔ اس میں وہ تمام مردانہ خصوصیات جمال بدرجۂ اتم موجود تھیں جو جنس لطیف کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں وہ تمام اُن باتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھا جو مختلف موقع و محل۔ مرتبہ و مدارج کے لحاظ سے ایک عورت کو اپنی طرف ملتفت کرنے کے لئے صرف کی جاتی ہیں۔ وہ جھوٹ اور فریب سے قطعاً نفرت کرتا تھا اور اگر کسی وقت ان چیزوں سے کام بھی لیتا تھا تو دوسرے وقت نہایت صفائی سے اس کا اظہار بھی کر دیتا تھا کہ میں نے دروغ گوئی سے کام لیا تھا۔ حالانکہ جھوٹ بولنا۔ اور فریب دینا اُسکے نزدیک دونوں باتیں دنیاوی تدابیر میں داخل ہیں لیکن شعیب۔

حتی الامکان دونوں باتوں سے ہمیشہ نفرت کی۔ اُس نے کبھی شراب بھی نہیں استعمال کی تھی اس لئے نہیں کہ وہ اُس سے نفرت کرتا تھا بلکہ اس لئے کہ اُس کی تمام لذتیں اور حلاوتیں ہمیشہ کے لئے غارت ہو جائیں گی اس وقت جبکہ وہ اُسے استعمال کرکے اُس کے شکر سے لذت آشنا ہو جائے گا۔ وہ صوم وصلوٰۃ کا ضرور پابند تھا لیکن خدا سے ڈرنے کا مفہوم اُس کے نزدیک اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ ظالم وجابر نہیں ہے۔ ہلاکو خاں۔ چنگیز خاں نہیں ہے جو صرف مجھ ہی کو ایک دن ہلاک کر ڈالے گا۔ جس طرح وہ ایک دن مجھے مار ڈالے گا۔ اسی طرح چارلی چیپلین۔ گاندھی جی۔ اور جواہرلال کو بھی مار ڈالے گا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ تمام دنیا کو ایک دن ہلاک کر ڈالے گا پھر ڈرنے سے فائدہ؟

غرضکہ خدا کے جبار اور قہار ہونے کا کوئی خاص مفہوم اس کے ذہن میں نہ تھا۔ وہ صرف اُس کے شانِ کرم پر جیتا اور وہ سب کچھ کرگزرتا جس کا ذکر غالب ایسے "مقدس گناہگار" نے اس طرح کیا ہے کہ ؎

برلب یا علیؑ سراے بادہ روانہ کردہ ایم
مشرب حق گزیدہ ایم عیش ومتانہ کردہ ایم

یوں تو شعیبؔ کے احباب کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا اور وہ ہر شخص سے نہایت محبت اور اخلاق سے پیش آتا تھا۔ لیکن نہ تو وہ کسی شخص کو اپنا رازدار بناتا تھا اور نہ خود کسی کی "پرائیوٹ لائف" سے دلچسپی لیتا تھا لیکن زہؔدار کہ وہ طالب علمی کے زمانہ سے اُس کا ہمراز تھا اور اُس کے ہر واقعہ

سے اچھی طرح واقف تھا، لہٰذا شعیب اُس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا تھا اور اکثر واقعات کا اظہار خود کر دیا کرتا تھا محض اس لئے کہ وہ اُسے اپنا ہمدرد اور مخلص سمجھتا تھا ورنہ اُس کا یہ فلسفہ تو بہت زیادہ شہرت پا چکا تھا کہ "جو شخص تمام دنیا کے ساتھ خلوص برتنے کا دعویدار ہو وہ حقیقی معنی میں کسی کا بھی مخلص اور ہمدرد نہیں ہوتا" اور اسی خیال کے ماتحت وہ صرف دو ہی تین احباب سے بے تکلف تھا۔ وہ خود اُن سے خلوص رکھتا تھا اور اُنھیں اپنا مخلص بھی سمجھتا تھا۔ اُس نے کبھی دوسروں کی طرح اپنے احباب کو اپنی اوباشی اور عیاشی میں شریک نہیں کیا۔ اور نہ اُن کو اپنا آلہ کار بنا کر عوام کی طرح شاہدان بازار پر اثر ڈالنے کا ذریعہ بنایا۔ اس لئے کہ وہ اُسے بہت زیادہ معیوب سمجھتا تھا اور یہ بھی خیال کرتا تھا کہ اکثر طوائفوں نے دوستوں ہی کے ذریعہ سے دوستوں کا گلا کند چھری سے ذبح کرا دیا ہے جس کی مثالیں اُس کے سامنے بہت سی موجود تھیں۔ غرضکہ وہ ہمیشہ شیر کی طرح تنہا شکار کھیلتا تھا۔ اُس کے جگر میں شاہدان بازار کے چلائے ہوئے نہ معلوم کتنے تیر پیوست ہو چکے تھے لیکن اُس نے اُن کے ہر ہر تیر کو ہمیشہ پھانس سمجھ کر نکال کر پھینک دیا تھا۔ اور کبھی اُف تک نہیں کی تھی۔ اگر اُسے کسی نے ایک مرتبہ صرف مُنہ پھیر لینے کی دھمکی دی تو دوسرے دن سے اُس نے واقعی اُس کی طرف رُخ بھی نہیں کیا اُس وقت تک کہ اُس نے اپنے مکان کی گلیوں کے سیکڑوں چکر نہ لگوا لئے اور اُس سے خاک نہ چھنوا دی۔

شعیب طوائف کو کبھی خطرناک نہیں سمجھتا تھا بلکہ ہنستا تھا اُس وقت جبکہ احباب پیشہ ور عورتوں کے خلاف زہر اُگلتے تھے کہ اُن کا وجود سوسائٹی کے لئے ایک بدترین عذاب ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں خاندانوں کی مٹی انہیں پیشہ ور عورتوں کے ہاتھوں خراب ہوئی ہے اور وہ تباہی و ذلت کے جہنم میں گر کر فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک شب کا ذکر ہے جبکہ چاند اپنی پوری روشنی سے کائنات کے ذرہ ذرہ کو روشن اور منور بنائے ہوئے تھا۔ شعیب اور زوّار دونوں دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے لیکن شعیب کسی گہرے خیال میں غرق تھا اور اُس کے چہرہ سے غم و اندوہ کے آثار نمایاں تھے۔ چاند آسمان کا ایک حصہ طے کر چکا تھا اور سطح آب پر پھیلی ہوئی نقرئی چاندنی اس قدر پُرکیف منظر پیش کئے ہوئے تھی کہ شعیب اس منظر کو دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ اور اُس کے مُنہ سے ایک خفیف آہ نکل کر فضا میں گونجتی ہوئی زوّار کے کانوں تک پہنچ گئی۔ زوّار نے شعیب کو برہم نگاہوں سے دیکھا اور ایک دلچسپ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر غصّہ کے ساتھ کہنے لگا۔

"شعیب مجھے تمہاری یہ سوگواریاں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر تمہارے سر پر طاہرہ کے عشق کا جن اسی قدر سوار ہے تو تم کسی دوسرے کو اپنے ساتھ مغموم بنانے کی کیوں کوشش کرتے ہو؟"

شعیب نے زوّار کو حیرت سے دیکھا اس لئے کہ وہ زوّار ایسے معقول آدمی سے اس قسم کا طنز آمیز جملہ سننا پسند نہیں کرتا تھا جو

بچپن سے اُس کے ہمراہ رہا ہو لعد اُس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہو۔ شعیب برہم تو ضرور ہوا۔ لیکن اپنے مزاج کے خلاف مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"محض اس لئے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ مجھ سے ہمدردی رکھتے ہو اور میری ہر تکلیف کو اپنی اذیت اور میری ہر راحت کو اپنی راحت سمجھتے ہو"

"لیکن میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ آپ کا دل و دماغ کسی طوائف کی محبت کی وجہ سے مفلوج ہو کر رہ جائے۔ جو درحقیقت محبت کرنا جانتی ہی نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی محبت اور خلوص سب کچھ ہے لیکن میں اِن فضول باتوں سے اپنے دل و دماغ کو معطل کرنا نہیں چاہتا جس طرح کہ آپ کا دماغ طاہرہ نے خراب کر دیا ہے۔ اور آپ ہر وقت اُسی شاہد بازار کی اُلجھنوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ تمثیل کر رہی ہے عشق و محبت کی۔ ایسے عشق و محبت کی جسے آپ کا عجیب و غریب اور شاعرانہ دماغ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہی وہ اداکاری ہے جس کا جادو آپ پر سب سے زیادہ چل سکتا ہے۔ ورنہ اگر یہ فن اُس سے چھین لیا جائے تو پھر اس میں نہ تو آپ کے لئے کوئی دلکشی باقی رہتی ہے اور نہ کوئی جاذبیت۔ طاہرہ ایک بازاری جنس ہے اور وہ بھی

نہایت خطرناک قسم کی۔ جس کی ہر ہر ادا فریب ہے جس کی سادگی میں پُرکاری ہے اور جس کے خلوص میں فریب اداکاری ہے۔ اُس نے ناز وعشوے صرف اِس لئے حاصل کئے ہیں کہ وہ آپ ایسے بیوقوف مردوں کو دھوکا دے اور اُن کی زندگی کو تباہ وبرباد کردے۔ غرضکہ یہ پیشہ ور عورتیں حد درجہ خطرناک ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ آپ اُن کے فریب میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی کو برباد کریں "۔

شعیب نے زوّار کی باتوں کو غور سے سُنا جو اُس کے نزدیک مجذوب کی بکواس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ اُس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نہایت متانت سے کہنا شروع کیا۔

" زوّار تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میرے دل کا سودا اِس قدر ارزاں نہیں ہے کہ طاہرہ ایسی عصمت فروش عورتیں اپنی فریبانہ دلنوازیوں اور دلجوئیوں سے خرید لیں۔ مجھے اُس سے محبت ہے لیکن ایسی نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ مجھے اُس کا خیال ضرور ہے صرف اُس کی دلنوازیوں اور دلجوئیوں کی وجہ سے۔ تاہم میرے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تو ظاہر ہے کہ میں کبھی اُس کے ہاتھ دل کا سودا کرنے والا نہیں اور نہ اپنی زندگی کے سکون کو آسانی سے فروخت کرنے والا۔ تم جو اِس وقت میری آہ سُنکر برہم ہوگئے ہو اُس کا تعلق اُس افسانۂ ماضی سے ہے جو میری زندگی کا سرمایہ

حیات ہے اور اُس کا خود تم کو بھی علم ہے۔ اب رہا طبقہ بازار کا خطرناک ہونا۔ یا سوسائٹی کا صرف اُسی کو مجرم قرار دینا یہ میرے نزدیک ہرزہ سرائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ مجھے یہ سُن کر افسوس نہیں بلکہ از حد تعجب ہوتا ہے کہ آپ بھی عوام کی طرح اس طبقہ سے بہت زیادہ برہم ہیں۔ حالانکہ نہ تو اِن پیشہ والیوں نے کبھی آپ کو ستایا ہے اور نہ کبھی آپ اُن کے تختہ مشق ہی بنے ہیں۔ خوفزدہ تو مجھے ہونا چاہیئے جو نہ معلوم طاہرہ جیسی کتنی گناہ کی دیویوں کے تیر کھا چکا ہے، اُن کا آلہ تفریح بن چکا ہے یا خود اُنھیں ایک حسین کھلونا سمجھ کر اُن سے وقتی دلچسپی لے چکا ہے۔ یہ میں بھی خوب سمجھتا ہوں کہ ایک طاہرہ ہی نہیں بلکہ تمام بازاری عورتیں از سرتاپا فریب ہیں۔ اُن کی تمام رعنائیاں یکسر مکاری ہیں اور اُن کی تمام رنگینیاں یکسر مصنوعی ہیں۔ وہ ریشمی ساری محض اس لئے پہنتی ہیں کہ ہم یہ محسوس کرنے لگیں کہ اس ساری کے اندر ریشم سے بھی زیادہ نرم و نازک جسم چھپا ہوا ہے وہ ہم کو رنگ و بو کی فضا میں صرف اسلئے لیجانا پسند کرتی ہیں کہ یہاں پہنچکر ہم بہت زیادہ آسانی سے مسحور ہو جائیں اور اپنا سب کچھ اُن پر نثار کر دیں۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اُن کا وجود حقیقتاً ہماری معاشرت میں ایک نہایت بدنما داغ ہے۔ اور پیشہ ور عورتوں کی وجہ سے ملک میں

ہلاکت اور تباہی پھیل رہی ہے لیکن میں اس سے اتفاق کرنے والا نہیں کہ وہ مجرم بھی ہیں اور خطرناک بھی ؟"

"تو کیا آپ انھیں معصوم سمجھتے ہیں اور حصول زر کے لئے جو طریقے وہ اختیار کرتی ہیں آپ کے نزدیک نہ تو وہ خطرناک ہیں اور نہ اُن کے افعال - حرکات و سکنات"؟

"خوب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُنھیں خطرناک سمجھتے ہیں پیشہ کے لحاظ سے - لیکن میں یہ کہوں گا کہ وہ تجارت کرتی ہیں اور اپنے جسم کی تمام لطافتوں اور تمام رعنائیوں کو چند نقرئی و طلائی سکوں کے عوض آپ کے ہاتھ فروخت کر ڈالتی ہیں - آپ سودا کرتے ہیں اُس بازاری پھول سے اُس کی خوشبو سونگھنے کے لئے اُسے سم آلود یا خطرناک سمجھ کر نہیں بلکہ اچھا سمجھ کر - آپ اُس سے لطف اندوز ہوتے ہیں کسی کے مجبور کرنے سے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے جب آپ خود اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے اُس کے شباب اور اُس کی رعنائیوں کا سودا کرتے ہیں - تو پھر خدا کے لئے بتائیے کہ آپ اس طبقۂ بازار کو کیوں مورد الزام قرار دیتے ہیں اور کیوں خطرناک سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خطرناک ہیں آپ - آپ کے جذبات اور آپ کی خواہشات جن سے مغلوب ہو کر آپ خود یہ سودا مول لیتے ہیں - ورنہ وہ جو کچھ کرتی ہیں "تاجر حُسن و شباب" یا "عصمت فروش" ہونے کی حیثیت سے کرتی ہیں - اور اُن کو یہی کرنا بھی چاہیئے"

ہے کیوں کیا اب سوائے اِس پیشہ کے کوئی دوسری صورت اُن کی زندگی کی نہیں ہو سکتی"؟

"ہو سکتی ہے لیکن اُس وقت کہ سوسائٹی اُن کو اپنے میں شریک کرلے۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے اس لئے کہ وہ لوگ جو آج شباب کا دور ختم ہو جانے اور عمر ڈھل جانے کے بعد اپنے آپ کو بڑا پُر جوش معلم اخلاق کہتے ہیں۔ وہ کبھی اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ ایک عصمت فروش جو اپنے پیشہ کو حقیقی معنی میں حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ کوئی اُسے ہمیشہ کے لئے اپنی پناہ میں لے لے اور سیہ کاری سے مستغنی ہونے کے بعد اس جنس معصیت کو اُن حقیر نظروں سے نہ دیکھے جسے وہ پہلے بازار کی رونق سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ حقیقتاً وہی ہیں جن کی جوانیاں سب سے زیادہ ناپاک بسر ہوئی ہیں اور جنھوں نے خانقاہوں اور معبد گاہوں کے حجروں میں بیٹھ کر تختہ بازار پر بیٹھنے والی کسبیوں سے زیادہ ادارۂ فحاشی کے رواج میں مدد دی ہے اور نہ معلوم اپنے خاندانوں کی کتنی معصوم لڑکیوں کو کسبی سے بدتر بنا دیا ہے۔ بہر حال میں طوائف کو مجرم اور خطرناک سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اور نہ آپ سے آیندہ اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ تاہم یہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں طاہرہ سے نہ تو مغلوب ہونے والا ہوں اور نہ مسحور ہو کر اپنی زندگی کو تباہ کرنے والا۔ لہذا آپ ناصح مشفق بن کر اس مسئلہ پر کبھی لکچر دینے کی زحمت گوارا نہ کیجئے گا۔ اور نہ میری دلچسپی میں مخل ہونے کی کوشش

کیجیے گا۔ جبکہ میں آپ سے یا اپنے دیگر احباب سے کسی قسم کی امداد یا مشورہ کا طالب نہیں ہوں اور نہ آئندہ ہو سکتا ہوں۔"

زوّار شعیب کی یہ تقریر سُن کر خاموش ہو گیا اور کچھ دیر کے بعد کہنے لگا۔

"کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ اس طبقۂ بازار کو مجرم کیوں نہیں سمجھتے"؟

"میں آپ کو اس کا بھی جواب دے سکتا ہوں لیکن افسوس ہے کہ آپ اپنی مخالفت میں کوئی بات سُننا پسند نہیں کریں گے۔ آپ ہی نہیں بلکہ میں تو دنیا کے تمام افراد کو کہوں گا کہ وہ اپنی مخالفت میں کوئی بات سُننا پسند نہیں کرتے اور یہی وہ ذہنیت ہے جس نے ہم لوگوں کی نہ صرف اجتماعی و سیاسی بلکہ مذہبی زندگی کو بھی ناکارہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ دنیا کی کوئی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک "ریب و شک" یا اعتراض دایرہ رد کی تمام صورتوں کو محو کر کے لوگوں کے قلوب کو متاثر نہ کیا جائے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم مخالف کی باتیں سُنیں اور اُس کے شبہات و اعتراضات کو دور کر دیں۔ لہذا آپ اس کا وعدہ کیجیے کہ آپ میری تمام باتیں سکونِ دل سے سُنیں گے اور کسی معقول طریقے سے مجھے قائل کر کے اپنا ہمخیال بنا لیں گے۔"

"آپ کی باتیں سُننا تو مجھے منظور ہے لیکن آپ کا اپنا ہمخیال بنانا میرے امکان سے بالکل بعید ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں خود آپ کا ہمنوا بن جاؤں اُس وقت جبکہ آپ یہ بھی ثابت کر دیں کہ "طبقۂ بازار

درحقیقت مجرم نہیں ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسا کہ وہ پیشے کے لحاظ سے خطرناک نہیں بلکہ خطرناک ہے خود ہمارا طبقہ، ہماری خواہشات، اور ہمارے جذبات جس سے مغلوب ہو کر ہم خوشی سے اُن کا سودا کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہی ہے کہ کوئی ہمیں مجبور نہیں کرتا ہے۔"

شعیب نے جیب سے سگار نکالا اور اُسے روشن کرنے کے بعد اُس نے اُس سے کچھ دیر شغل کیا اور اُس کے بعد کہنا شروع کیا۔

"قبل اس کے کہ میں یہ ثابت کروں کہ درحقیقت یہ طبقہ مجرم نہیں ہے۔ آپ کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ طبقہ عالم وجود میں کب آیا اور کس طرح پیدا ہوا۔ اس طبقہ کی ابتداء مرد کی طرف سے ہوئی ہے یا عورت کی طرف سے۔ ان کا وجود نتیجہ ہے مردوں کی آوارگی کا۔ یا مردوں کی آوارگی نتیجہ ہے اُن کے وجود کا۔"

اگر آپ تاریخ تمدن کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ زمانہ جاہلیت میں مرد و زن کے تعلقات کیا تھے اور عورت کی حیثیت ہر ملک اور زمانہ میں کس قدر مظلومانہ رہی ہے۔ چونکہ واقعات جنسی کے سلسلہ میں مرد کی خواہش کو ہمیشہ فائق سمجھا گیا ہے اور عورت اس امر پر مجبور رکھی گئی ہے کہ وہ مرد کی اس خواہش کو طوعاً و کرہاً پورا کرے۔ لہٰذا وہ مجبور ہو گئی مرد کی دست درازیوں اور اُس کے حیوانی جذبہ سے اور یہ اُسی جذب کا نتیجہ ہے کہ رفتہ رفتہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جن کا کام یہی تھا کہ وہ مرد کی اس ناجائز خواہش کو پورا کرتی رہیں۔ چنانچہ اس طبقہ کی ابتدا عہد وحشت میں ہوئی اور ہمارے ہی

جذبات کے ماتحت یہ طبقہ عالم وجود میں آیا۔

خدا کے لئے مجھے بتایئے کہ کیا یہ بلا آپ ہی کی جنس کی لائی ہوئی نہیں ہے۔ اگر آپ ہی کی جنس کی لائی ہوئی ہے تو پھر آپ اس طبقہ بازار کے خلاف کیوں جہاد پر آمادہ ہیں اور اپنے طبقہ کی اصلاح کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے۔ جو دراصل محرک و سبب ہے فحاشی کے قیام کا۔ مال وزر اور زندگیوں کی تباہی کا۔ دنیا کی تمام بدترین بیماریوں اور اخلاقی جرائم کا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان اخلاقی جرائم کا قائم کرنے والا بھی مرد ہے۔ ان امراض کا لگانے والا اور تمام تباہیوں کا پیدا کرنے والا بھی مرد ہی ہے۔ کیا یہ نتیجہ نہیں ہے صرف مردوں کی آوارگی اور بدچلنی کا جو حقیقتاً اپنے جذبات کا بندہ ہے اور نفس کا غلام۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ خود ہمارا ہی طبقہ مجرم ہے اور جب خود ہمارا ہی طبقہ مجرم ہے تو پھر وہ اس طبقہ کے خلاف کیوں صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور کیوں اپنی فطرت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے لیکن کیا اب ان کے استیصال کی کوئی صورت ہو سکتی ہے"؟

"قطعاً نہیں ہو سکتی اس وقت تک کہ ہم اصل سبب کو دور نہ کرلیں لہٰذا میرے نزدیک اس طبقہ کے خلاف احتجاج کرنا بالکل بے معنی سی بات ہے کیونکہ یہ تو نتیجہ ہیں صرف ہماری طلب کا۔ لہٰذا مردوں کو اپنی فطرت میں تبدیلی پیدا کرنا چاہیئے تاکہ ہمیشہ کے لیئے اس کا انسداد ہو جائے"۔

"کیا حکومتوں نے کبھی اس طبقہ کو مٹانے کی کوشش کی ہے"؟

"بیشک، جوں جوں انسانیت ترقی کرتی گئی ہے اُس کے انسداد کیلئے برابر کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ تاریخ تمدن کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت کا بھی انکشاف ہو جائے گا کہ اکثر حکومتوں نے اس طبقہ کے استیصال کے لئے قوانین نافذ کئے اور اُن پیشہ ور عورتوں کے لئے سخت سزائیں بھی تجویز کیں لیکن وہ سب بیکار ثابت ہوئیں اور مجبوراً حکومتوں کو اپنے قوانین منسوخ کرنا پڑے۔ اس لئے کہ ان قوانین کے نفاذ سے مردوں کے اخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوشیدہ طور پر خاندانوں میں آوارگی اور بدچلنی شروع ہو گئی جو بہت زیادہ مہلک اور تباہ کن تھی۔ اس کی مثالیں اب بھی بہت زیادہ مل سکتی ہیں۔ چونکہ تنوع پسندی اور ہر جدید چیز سے لذت اُٹھانا انسان کی فطرت میں داخل ہے لہذا مرد یا عورت کے ذہن سے اس خواہش کو دور کر دینا ناممکن ہے۔ لیکن چونکہ عورت زیادہ صابر و ضابط اور شرمیلی واقع ہوئی ہے اس لئے اُس کی خواہش سوسائٹی کے قوانین تو دبا سکتے ہیں لیکن مرد جو زیادہ بیباک واقع ہوا ہے مشکل سے قابو میں آسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک انسداد فحاشی نہ ہو سکا اور نہ عملی طور پر پیشہ ور عورتوں کو دنیا سے پاک کیا جا سکا۔ اور نہ آئندہ پاک ہو سکتی ہیں اُس وقت تک کہ ہم خود اپنے طبقہ کی اصلاح نہ کر لیں۔ اور یہ بھی ناممکن اور قطعاً ناممکن ہے اس لئے کہ انسان اگر درندہ نہیں پیدا ہوا تو اُس کے فرشتہ ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں"

زردار نے تمام باتیں سن کر خاموشی اختیار کر لی اور کوئی جواب نہیں دیا لیکن کچھ دیر غور کرنے کے بعد اُس نے شعیب سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اِس طبقہ سے کیوں اجتناب نہیں کرتے جبکہ آپ حقیقت کو سمجھ چکے اور ثابت بھی کر چکے ہیں کہ یہ جنس نتیجہ ہے صرف ہماری آوارگی اور بد چلنی کا۔"

شعیب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میری اوباشانہ دلچسپیاں اور میری اوباشانہ تفریحیں اگر آپ کے نزدیک آوارگی میں شامل ہیں تو یہ یقین کر لیجئے کہ میری آوارگی بھی دوسروں کے لئے درس ہدایت ہے۔ علاوہ اس کے میں اپنے دل کا خون بھی کرنے کے لئے تیار ہوں اگر صرف ایک میرے اجتناب سے دنیا کو کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ ورنہ میں تو گناہ کرتا ہوں محض اس لئے کہ اس سے بچنا بھی ایک قسم کی ریاکاری ہے۔"

(۲)

شعیب کو اگر طاہرہ سے محبت نہ تھی تو اُسے اُس کا خیال ضرور تھا اور اگر لوگوں کے خیال کے موافق وہ شراب محبت سے مخمور تھا تو حقیقتاً مدہوش نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ طاہرہ سے ہمیشہ نہایت ہوش گوش کی باتیں کرتا تھا جو طاہرہ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھیں وہ اُسے اپنی محبت کی ناکامی تصور کرتی تھی اور خیال کرتی

تھی کہ باوجود انتہائی دلنوازیوں کے بھی شعیب کا دل و دماغ اُس وقت تک معطّل کیوں نہیں ہوا اور اُس نے اظہار جذبات کیوں نہیں کیا۔ وہ شعیب کو بہت عرصہ سے اپنا تختہ مشق بنانے اور اُس کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ شعیب جو طاہرہ سے کہیں زیادہ حسین و جمیل عورتوں کی دلچسپیوں کا کھلونا بن کر اُن سے بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ طاہرہ کی ان سطحی چالوں سے مفتوح ہونے والا نہ تھا۔ وہ انتہا درجہ صابر و ضابط تھا اور اُس میں اپنے جذبات پر قابو حاصل کرنے کی پوری قدرت اور پوری قوت برداشت موجود تھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ طاہرہ کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی کبھی کوشش نہ کرتا اس لئے کہ وہ جن شاہدان بازار کے تیروں سے اُس وقت تک محفوظ رہ چکا تھا، اُن سے طاہرہ کے تیر حقیقتاً بہت زیادہ خطرناک تھے۔ اُس کا ہر تیر زہر میں بجھا ہوا تھا جن سے بچنا مشکل نظر آتا تھا تاہم وہ محفوظ تھا محض اس لئے کہ اُس کی اوباشی اور عیاشی کے اصول نہایت عمدہ تھے۔ جن کا وہ سختی سے پابند تھا اور یہی باعث تھا کہ وہ اُس وقت تک طاہرہ سے بھی نہیں مفتوح ہوا تھا۔

طاہرہ غیر معمولی حسین تو کیا بلکہ معمولی حسین بھی نہ تھی لیکن حسن و جمال اگر رنگ اور جلد کا نام نہیں ہے تو اُس کے چہرے کی معصومیت ضرور جاذب نظر اور جاذب توجہ تھی اور اسی چیز نے لوگوں کو اس کا

دیوانہ بنا دیا تھا۔ سانولا رنگ۔ گول چہرہ۔ گداز جسم۔ آنکھوں میں عیاشی کی چمک۔ ان تمام چیزوں نے شباب کے ساتھ مل کر کافی قیامت برپا کر دی تھی اور اُسی کے ساتھ خدا نے اُسے موسیقی کی بھی دولت عطا کی تھی۔ گو وہ فن موسیقی کی ماہر نہ تھی تاہم آواز میں درد تھا سوز و گداز تھا جو لوگوں کے قلوب کو مسحور کرنے کے لئے کافی تھا۔ وہ بہت زیادہ خلیق تھی اور اُس کے اِس خلق نے بھی لوگوں کو گرویدہ بنا دیا تھا لیکن شعیب کے نزدیک اُس کا خلق بھی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ بازاری عورت کا خوش خلق ہونا اشد ضروری ہے ورنہ وہ کبھی دوسرے سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ اُس کی تعلیم گو معمولی تھی۔ لیکن مطالعہ کتب اخبارات و رسائل اور شعیب کی صحبت نے اُسے اچھی خاصی ادیبہ بنا دیا تھا۔ وہ بہت زیادہ خوش گفتار۔ بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھی اور یہی خاص سبب تھا جس کی وجہ سے وہ سوسائٹی میں قابل عزت سمجھی جاتی تھی۔

اُس میں ایک خاص مادہ یہ بھی موجود تھا کہ وہ بہت جلد لوگوں کے دلوں میں محبت کی آگ بھڑکا کر اُن کے سروں کو بُری طرح ٹھکرا دیا کرتی تھی۔ وہ اپنی طوالفانہ سحر کاریوں سے لوگوں کے قلوب پر حکومت کرتی تھی۔ اور اپنی عیاشانہ شوخیوں اور فاحشانہ بدمستیوں کے پُر فریب جال میں صید کو پھانس کر پھڑپھڑانے کی بھی اجازت

نہیں دیتی تھی۔ غرضکہ وہ ایک دُنیا کو تڑپتے ہوئے دیکھتی تھی اور مسرور ہوتی تھی۔

اِس میں شک نہیں کہ طاہرہ کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ شعیب سطحی چالوں سے مغلوب ہو کر ہتھیار رکھنے والا نہیں لہذا اُس نے محبّت کی تمثیل کرنا شروع کر دی تھی جسے شعیب بھی اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ عورت کے وہ آنسو جو مکر و فریب کا نتیجہ ہوتے ہیں ایک زبردست سیلاب اپنے اندر پنہاں رکھتے ہیں کہ مشکل ہی سے کوئی شخص ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ اسی باعث سے اُس نے طاہرہ یا دوسری عورتوں کے آنسوؤں کو کبھی برسات کی بوندوں سے زیادہ ترجیح نہیں دی۔ تاہم وہ اپنی فطری کمزوری کے سبب سے یا زخم خوردۂ اُلفت ہونے کی وجہ سے متاثر ضرور ہوا اس لئے کہ نہ وہ کسی کو اپنے قدموں پر سر بسجود دیکھ سکتا تھا اور نہ کسی عورت کے آنسو دیکھ سکتا تھا۔

شام ہو چکی تھی اور طاہرہ اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی اُس معصوم لڑکی کی باتوں سے دل بہلانے میں مصروف تھی جس کو اُس نے اپنی آغوش لیا تھا کہ شعیب نے کمرہ میں قدم رکھا اور طاہرہ کو مخاطب کرتے ہوئے اُس کے قریب بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"ناراض ہو طاہرہ!"

"میں اور تم سے ناراض ہوں۔ یہ ناممکن ہے شعیب! لیکن

تم تو مجھے ٹھکرا چکے ہو پھر اس پوچھنے سے فائدہ۔؟

"محض تم کو فریب میں مبتلا کرنے کے لئے۔"

"لیکن شعیب! میں تو پہلے ہی فریب اُلفت میں مبتلا ہو چکی ہوں اور اب بھی تیار ہوں یہ سمجھتے ہوئے کہ تم واقعی مجھے فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔؟

"بالکل ٹھیک، کیونکہ یہ مٹی کا گھروندا نہیں ہے کہ بنایا اور بگاڑ دیا لہٰذا میں تمھاری جان لیلوں گا اور اپنی جان دیدوں گا۔"

طاہرہ یہ سن کر از حد متعجب ہوئی کیونکہ اُس نے شعیب کی زبان سے اس قسم کے الفاظ کبھی نہیں سُنے تھے اُس نے نگاہ اُٹھا کر شعیب کو دیکھا اور اُس کے استعجاب کی اُس وقت کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اُس نے شعیب کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے ہوئے دیکھے۔ وہ کچھ خیال کر کے مسکرائی لیکن فوراً ہی اُس نے چہرہ پر متانت پیدا کر کے کہا۔

"مجھے اپنی جان کا تو قطعاً خیال نہیں۔ اس لئے کہ وہ تمھاری تھی اور تمھاری ہے۔ ہر وقت لے سکتے ہو لیکن تم اگر خدانخواستہ مر گئے تو مجھے از حد صدمہ ہو گا اس لئے کہ تم نے ابھی جی بھر کر گناہ نہیں کیا ہے۔"

شعیب نے بجائے جواب دینے کے طاہرہ کو گوشۂ چشم سے دیکھا اور اُس کے شانہ پر اپنا سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ تک تو طاہرہ خاموش بیٹھی ہوئی کچھ غور کرتی رہی اور اُس کے

بعد شعیب کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور اپنے لب اُس کے لبوں پر رکھ دیئے۔

شعیب طاہرہ کے فریب کا جواب فریب سے دینے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن وہ اس خیال سے پریشان ضرور ہوا کہ بغیر کسی برہمی کے طاہرہ کا خلاف قیاس اس قدر آسانی اور خاموشی سے محبت کی پذیرائی میں سر جھکا دینا خالی از مصلحت نہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ طاہرہ اب بہت زیادہ خطرناک حملہ کی تیاری میں مصروف تھی اس لئے کہ اُس نے اب خود کو بالکل شعیب کے سپرد کر دیا تھا اور وہ اس کی دلجوئی اور دلنوازی ایک شوہر پرست دیوی کی طرح کرنے لگی تھی جس سے پناہ ملنا شعیب ایسے محبت پرست انسان کے لئے بہت مشکل تھی۔ چنانچہ ایک شب کا ذکر ہے جبکہ شعیب فرش پر لیٹا ہوا کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ شب کے دو بج چکے تھے اور طاہرہ مسہری پر دراز میٹھی نیند کی آغوش میں تھی کہ دفعتاً اُس کی آنکھ کھل گئی اور شعیب کو اپنے پاس نہ پاکر اُٹھ بیٹھی۔ وہ مسہری سے اُتری۔ سر پر ساری کا آنچل ڈالا اور شعیب کے پاس نہایت معصومیت کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہاتھ سے پنکھا جھلنے لگی اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں دبانے لگی شعیب نے گھبرا کر اپنے پاؤں کھینچ لئے لیکن جب اُس کی نظر طاہرہ پر پڑی تو وہ گھونگھٹ میں چھپے ہوئے چہرے کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن

طاہرہ نے اس کو منع کیا کہ۔

"خدا کی قسم آپ پڑھے جائیے۔ مجھے نہایت مسرت ہوتی ہے جب میں آپ کو اپنے پاس بھی کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف پاتی ہوں اور آج تو دعا کرتی ہوں کہ خدا کرے آپ اس کمرے کو ہمیشہ کے لئے اپنا ریڈنگ روم بنالیں۔"

شعیب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ریڈنگ روم نہیں۔ مکتب خانہ کہو طاہرہ مکتب خانہ۔"

"اونہہ، آپ تو میری ہر بات کا مضحکہ اُڑا دیا کرتے ہیں۔ جائیے میں اب آپ سے نہیں بولوں گی۔"

یہ کہہ کر طاہرہ شعیب کے پیروں کی طرف دراز ہو گئی اور اُس کے پیر اُٹھا کر اُس نے اپنے نرم و گداز سینے سے لگا لئے اور چومنا شروع کر دیئے۔ طاہرہ جس کے غمزۂ بے پناہ کی قیامت اثر محشر سامانیاں برق و سیماب کی کرشمہ سازیوں کو بھی شرمندہ کر دینے والی تھیں وہ اس وقت شعیب کو حقیقی معنی میں مسحور کرنے میں کامیاب ہو گئیں جذبات کا ایک سیلاب تھا جس نے شعیب کو بےچین کر دیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جو درحقیقت سچے موتی تھے لیکن صورت حال پر غور کرنے کے بعد شعیب نے فوراً اپنے جذبات پر قابو حاصل کر لیا تاکہ طاہرہ کو اِن آنسوؤں کا علم نہ ہو۔ چنانچہ وہ کتاب دیکھنے میں نہایت انہماک کے ساتھ پھر مصروف

ہو گیا اور خدا معلوم کب تک مصروف رہتا اگر طاہرہ کے گرم گرم آنسو اُس کے پیروں پر گر کر انہماک میں حارج نہ ہوتے۔ شعیب نے جلدی سے کتاب بند کر دی۔ اور طاہرہ کو اپنی آغوش میں لیکر مسہری پر لٹا دیا اور اپنے لبوں کے ذریعہ رِستے ہوئے آبحیات سے تسکین کا جام پلا کر اُس کے مشتعل جذبات کو فرو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

شعیب اور طاہرہ کے تعلقات کو اسی طرح مہینوں گذر گئے اور طاہرہ شعیب پر پورا قابو حاصل کرنے کے لئے بظاہر اس قدر نرمی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے لگی تھی کہ شعیب کی جگہ پر اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ حقیقتاً مغلوب ہو کر اُس کے قدموں پر اپنا سر جھکا دیتا۔ لیکن شعیب نے باوجود مسحور ہونے کے بھی اُسے فریب ہی سمجھا اور اُس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اُس نے اپنے تفریحی مشاغل میں ایک یہ شغل بھی بڑھا لیا کہ وہ دوسری طوائفوں کے ہاں بھی اکثر جانے لگا۔ جس کا علم طاہرہ کو اُس وقت تک نہ ہوا کہ شعیب نے طاہرہ کے جذبات کا پتہ لگانے کے لئے خود اس کا اظہار نہ کیا۔ جب طاہرہ کو شعیب کی اس آزادی کا علم ہوا تو اُس نے اپنی بے چینیوں اور بیقراریوں کا انتہائی درجہ تک اظہار کیا تاکہ شعیب یہ سمجھے کہ وہ اس کو کسی دوسری عورت کے پہلو میں نہیں دیکھ سکتی۔

اس کی یہ باتیں کہ تمام شب شعیب سے لڑنا، رونا۔ اور بے چینی کے ساتھ مسہری سے اُٹھ اُٹھ کر تمام چھت پر نہایت اضطراب کے ساتھ ٹہلنا۔ نہ خود سونا اور نہ شعیب کو آرام کرنے دینا۔ گو بظاہر محبت سے لبریز تھیں لیکن درحقیقت یہ فریب تھا کیونکہ طاہرہ اُن عورتوں میں نہ تھی جو اِس قسم کی باتوں کا اثر لیتی۔ چنانچہ شعیب نے بھی اُسے صرف اداکاری سمجھا اور بغیر متاثر ہوئے حسب معمول صبح کو سات بجے اپنے مکان واپس چلا آیا۔

بارہ بجے کے قریب طاہرہ کے ملازم نے ایک خط شعیب کے مکان پر آکر دیا اور کہا کہ آپ کو بلایا ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ چلیے۔ شعیب نے خط لے لیا اور اُس سے کہدیا کہ میں اس وقت نہیں جا سکتا ہوں۔ ضروری کام میں مصروف ہوں شب کو آؤں گا، ملازم کے جانے کے بعد اُس نے لفافہ چاک کیا تو اُس میں لکھا تھا۔ ؎

دو لفظوں میں پوشیدہ کل میری کہانی ہے
ایک لفظ محبت ہے ایک لفظ جوانی ہے

شعیب! تمہارے جانے کے بعد جب میں بیدار ہوئی تو مجھے شب کی باتوں کا پھر دفعتاً خیال آگیا۔ سینے میں ایک آگ سی لگ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر گئے یہ خیال کرکے کہ اس کو میری چیز کی طرف مُنہ بڑھاتے اور پیار کرنے کا حق کیا تھا۔ اب آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل

دماغ میں بحث شروع ہو گئی۔ دل نے کہا اُن کی کیا خطا تھی اگر اُس نے چاہا تو یہ اُس کا دل تھا اگر پیار کے لئے اُس نے مُنہ بڑھایا تو یہ اُس کی طبیعت تھی لہٰذا اس میں تمھاری غلطی نہیں تھی۔ لیکن دماغ نے فوراً جواب دیا کہ "نہیں اس میں تمھاری ہی غلطی ہے" دل نے کہا "ثبوت؟" تو دماغ نے جواب دیا کہ "سب سے پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ "تم گئے ہی کیوں"؟ جبکہ تم کو یہ معلوم تھا کہ وہ صرف نفس کے لئے چاہتی ہے۔ اگر صاف انکار کر دیتے تو شاید وہ کبھی پھر نام بھی نہیں لیتی۔ مگر ضبط نہ ہو سکا۔ اور چلے گئے۔ خیر جا کے بیٹھے ہو گے۔ پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں محبت کے سوال و جواب ہوئے ہوں گے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بالکل تنہائی ہو گی اور دروازے سب طرف سے بند ہوں گے۔ اُس نے پہلے تمھارے ہاتھ میں بوسہ لیا ہو گا پھر تھوڑا سا سینے کا اُبھار دکھاتے ہوئے جسم کو ذرا چراتے ہوئے۔ گردن کو تھوڑا خم کرتے ہوئے۔ ابروؤں کو بل دیتے ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے بے حد ناز و انداز سے اپنے ہاتھ سے پان بنا کر تمھارے مُنہ میں کھلا دیا ہو گا اس کے بعد کچھ تمھارے تغافل کا شکوہ۔ کچھ اپنی بیچینیوں کا اظہار کیا ہو گا۔ اور رو رو کر انصاف چاہا ہو گا۔ پھر تھوڑا

قریب آئی ہوگی۔ رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ تمہارے سینہ پر
رکھ کر سہلایا ہوگا۔ اتنے عرصہ میں خدا معلوم تمہارے
اور اُس کے ہاتھوں نے کون کون سی گستاخیاں کی ہونگی۔
خیر اگر اتنا نہیں تو کم سے کم اُس کے آنسو تو اپنے دامن سے
ضرور پاک کئے ہوں گے۔ اور تسکین دہ الفاظ بھی کہے
ہوں گے کیونکہ ایسا نہ کرنا انسانیت اور شرافت کے
خلاف بھی تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا اخلاق بہت وسیع
ہے اور یہ اسی وسیع الاخلاقی کا ثبوت ہے کہ تم نے اُس کے
ملازم سے انکار بھی نہیں کیا اور ساتھ ہی چلے گئے۔ حالانکہ
میرا ملازم باہر ٹھکرایا گیا ہے اور اس وقت بھی میرا خیال
ہے کہ وہ تنہا ہی واپس ہوگا غرضکہ اس میں اس بیچاری
کی کوئی خطا نہیں اب مجھے یقین ہے کہ اُس کے جواب میں
تم کہو گے کہ خیر، میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ معاف کرو
اب ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ لیکن میں یہ خوب سمجھتی ہوں کہ
تم ایسے سمجھدار انسان سے آئندہ سچ بولنے کی بھی غلطی
نہیں ہوگی محض اس خیال سے کہ کہیں یہ بلا پھر گلے نہ پڑ جائے۔
پھر اب تم ہی بتاؤ کہ میرے لئے ہر طرح سے مشکل ہے کہ
نہیں۔ میں اس وقت سے برابر رو رہی ہوں۔ تمہاری قسم اگر
پیٹ بھر کھانا کھایا ہو تو خدا سمجھے۔ صرف منھ جھوٹا کیا

ہے کہ کہیں نوکروں کو میری اُلجھنوں کا حال نہ معلوم ہو جائے۔ میری رائے تو یہ ہے۔ کہ اب تم مجھے میری قسمت پر چھوڑ دو اور جو کچھ وہ چاہتی ہے اُس کو پورا کر دو۔ ورنہ میری بدگمانیاں بڑھتی جائیں گی اور اطمینان کی زندگی کبھی نصیب نہ ہو گی۔ تم میرا خیال نہ کرنا۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ عمر بھر تمہاری ہی ہو کر رہوں گی۔ آج یہ تحریر بھی دیئے دیتی ہوں محض اس لئے کہ یہ وقتی دلچسپی نہیں ہے۔ نذرانۂ محبت میں فی الحال آنسو قبول کرو اور نہ

اشکوں کو مرے اپنے دامن پہ ذرا جانچو

جم جائے تو خوں ہے بہ جائے تو پانی ہے

غم نصیب

"طاہرہ"

اِس میں شک نہیں کہ طاہرہ کی تحریر متاثر کرنے کے لئے بہت زیادہ کافی تھی لیکن شعیب کے نزدیک وہ جذباتی عبارت آرائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی لہذا اُس نے کوئی خیال نہیں کیا اور اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد طاہرہ کا ملازم پھر آیا اور اُس نے ایک پرچہ شعیب کو دیا جس میں لکھا تھا کہ "فوراً آئیے ورنہ میں خود آتی ہوں"۔ اب شعیب کو مجبوراً جانا پڑا لیکن نہ تو اُس نے طاہرہ سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور نہ باوجود مجبور کئے

چلنے سے اس نے یہ وعدہ کیا کہ میں اب کبھی کسی دوسری جگہ نہیں جاؤں گا بلکہ صاف کہ دیا کہ میں اپنا اصول نہیں توڑ سکتا خواہ تم مجھ سے ناراض ہو یا خوش"۔ طاہرہ نے بھی مصلحتاً زیادہ اصرار نہیں کیا لیکن دوچار روز گزر جانے کے بعد اس نے شعیب کے خالی اوقات پر رفتہ رفتہ قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اور چند روز کے بعد شعیب کو اتنا بھی وقت نہیں دیا کہ وہ کسی دوسرے تفریحی مشاغل میں دلچسپی لے سکے۔ یا اپنے دوستوں ہی سے مل سکے۔ اول اول تو اس نے اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اس لئے کہ خالی اوقات میں اس کا محبوب ترین مشغلہ سوا مطالعہ کتب کے اور کچھ نہ تھا اور اس میں طاہرہ کبھی حارج نہیں ہوئی۔ بلکہ طاہرہ کا مکان اس کے لئے ہمیشہ دارالمطالعہ بنا رہا لیکن کچھ روز بعد شعیب نے اس پابندی کو محسوس کیا کہ یہ قید یقیناً ایک دن تباہی کا سامان پیدا کر دے گی۔ لہذا اس نے آزادی کو واپس لینے اور اس قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکام رہا۔

اب طاہرہ اور شعیب کے تعلقات کو کئی برس گزر چکے تھے۔ حالانکہ اس دوران میں نہ معلوم کتنے رئیس اور جاگیر دار اپنے آبا و اجداد کی جمع کی ہوئی دولت کے انبار اس کے قدموں پر ڈھیر اور اس کی چوکھٹ پر جبیں سائی کر کے تباہ و برباد ہو چکے تھے اور نہ معلوم کتنے پاؤں حقارت سے ٹھکرا دئے گئے تھے لیکن شعیب کے تعلقات میں

کوئی نیا انقلاب پیدا نہیں ہوا سوا اس کے کہ شعیب کے دل میں جستجو کا مادّہ ضرور پیدا ہوگیا اور وہ طاہرہ کے پرائیویٹ واقعات دریافت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "کیا وہ کسی دوسرے سے بھی محبت کرتی ہے یا نہیں؟" یہ علامت تھی اُس کے متاثر ہونے اور اپنے سکون کو برباد کرنے کی حالانکہ شعیب کو اس کا احساس تھا اور وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اس جستجو کے خیال کو فوراً نہ دور کیا گیا تو یہ جذبہ اُسے کسی دن سخت مصائب و تکالیف میں مبتلا کر دے گا۔ اور یہی ہوا کہ جس وقت طاہرہ کو اس کی جستجو کا علم ہوا تو وہ بے انتہا مسرور ہوئی اور اب اُس نے شعیب سے انتقام لینے اور اُس کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے شب کے دس بجے بج چکے تھے اور افضل جو طاہرہ کے دام فریب میں عرصہ سے پھنسا ہوا تھا۔ طاہرہ کے پاس سے اُٹھ کر اپنے مکان جا چکا تھا کہ شعیب حسب معمول طاہرہ کے مکان پر پہنچا۔ اُس نے برقی روشنی میں دیکھا کہ طاہرہ برآمدہ میں بیٹھی ہوئی ہے اور شاید اسی کا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن دروازہ کے قریب پہونچکر اُس نے معلوم کیا کہ مکان کا دروازہ بند ہے اور طاہرہ برآمدہ سے اُٹھ کر کمرے کے اندر جا چکی ہے۔ وہ چند منٹ خاموش کھڑا رہا محض اس خیال سے کہ طاہرہ مجھے دیکھ چکی ہے لہذا لازم دروازہ کھولنے آتا ہوگا۔ لیکن یہ اُس کی غلط فہمی تھی۔ اِس لئے کہ طاہرہ پہلے ہی اپنا

پروگرام مرتب کر چکی تھی۔ اُس نے ملازم کو منع کر دیا تھا کہ دروازہ نہ کھولا جائے اور نہ شعیب کے پکارنے کا کوئی جواب ہی دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شعیب کی مسلسل آوازوں کا جواب بھی خاموشی ہی سے دیا گیا۔ شعیب کو اس خاموشی سے ازحد تعجب ہوا اور باوجود دماغ پر زور دینے کے بھی اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس حرکت کا سبب کیا ہے؟۔ وہ ازحد پریشان ہوا اور کچھ دیر تک نہایت بےچینی کے ساتھ طاہرہ کے مکان کے نیچے ہی ٹہلتا رہا۔ اُس کے بعد وہ کچھ فاصلہ پر ایک جگہ پوشیدہ ہوگیا اور برابر طاہرہ کے مکان کی طرف دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد اُس نے دیکھا کہ طاہرہ برآمدہ میں آئی اور اُس نے سڑک پر چاروں طرف غور سے دیکھا۔ کچھ دیر کھڑی رہی اور اُس کے بعد کمرے میں پہنچ کر اُس نے "لائٹ" خاموش کر دی۔

شعیب طاہرہ کے اس کمینے فعل کو فطرتاً نہیں برداشت کرسکتا تھا۔ اُس کے خون میں ہیجان پیدا ہوگیا اور اُس کا تمام جسم اُن نازک اور سرسبز و شاداب درختوں کی شاخوں کی طرح غصّہ کی وجہ سے تھرتھر کانپنے لگا۔ جن کو ہوا کا ایک نرم جھونکا چھو کر گزر جائے۔ اُس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا۔ لبوں کو جنبش ہوئی اور فضا میں ایک سرد آہ کے ساتھ یہ مصرعہ گونجتے سنائی دیا ؎

"میرا کیا بگڑا تمھاری دل لگی جاتی رہی"

(۳)

دنوں سے ہفتوں اور ہفتوں سے مہینوں گذر گئے لیکن شعیب نے اس واقعہ کے گذرنے کے بعد طاہرہ کے مکان کی طرف سے راستہ چلنا تو درکنار، اُس طرف رُخ بھی نہیں کیا اور نہ اس فضا میں سانس لینا مناسب سمجھا۔ اس لئے نہیں کہ شعیب کو طاہرہ کی اس ذلیل حرکت سے روحی تکلیف پہنچی تھی بلکہ اس لئے کہ اُس کی خودداری اس امر کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اب وہ طاہرہ کو کسی خاص جذبہ کے ماتحت نظر اُٹھا کر دیکھے۔ باوجود اس کے کہ اس کے دل میں نہ تو جذبۂ نفرت پیدا ہوا تھا اور نہ جذبۂ حقارت۔ اِس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ کسبیاں اِس سے زیادہ غیر مستحسن افعال کی مرتکب ہوتی ہیں۔ خواہ اُن کا معیار کتنا ہی کیوں نہ بلند ہو۔ لیکن طاہرہ کی دلنوازیاں اور ناز برداریاں ابھی تک اُس کے دل سے محو نہ ہوئی تھیں اور یہی ایک چیز ایسی تھی جو کبھی کبھی محبّت کی آگ کو بھڑکا کر شعیب کے ایک ایک عضو کو جلا کر خاک کر دینے کے لئے کافی تھی چنانچہ اُس کی راتیں نہایت بے چینی کے عالم میں بسر ہوئی تھیں اور اور وہ بارہا شب کو بارہ بارہ بجے مکان سے نکل کر "ریور بینک روڈ" چلا جاتا تھا اور تمام شب دریا کے کنارے ٹہل ٹہل کر گزار دیتا تھا۔ ایک شب کو جبکہ اُس پر عشق کی بحرانی کیفیت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اُس نے فلسفۂ زندگی

پر غور کرنا شروع کیا ہزاروں خیالات اُس کے دماغ میں پیدا ہوئے اور اُس نے سب کو تنقیدی نظر سے دیکھ کر رد کر دیا۔ آخرکار کافی غور و خوض کے بعد اُس کی سمجھ میں یہ آیا کہ :۔

"جب زندگی کو بقا نہیں تو اس قسم کے جذبات بھی باقی نہیں رہ سکتے۔ اور جب زندگی اور جذبات دونوں کا فنا ہو جانا ضروری ہے تو پھر میں ان لمحات شباب کو کیوں برباد کروں اور اپنی زندگی کو کیوں سوگوار بناؤں"؟

اِس خیال کا دماغ میں آنا تھا کہ شعیب کے جذبات میں پھر انقلاب پیدا ہوگیا۔ اُس نے ہر وقت مسرور رہنے کی کوشش کرنا شروع کی اور دیگر مشاغل کے علاوہ دوسرے ہی دن سے اپنا تفریحی پروگرام بھی مرتب کر لیا۔ طاہرہ کو شعیب کے مسرور رہنے، اس کی تندرستی اور اُس کے تمام مشاغل کی خبریں اکثر پہنچا کرتی تھیں جنھیں معلوم کر کے وہ رنجیدہ ہو جایا کرتی تھی اس لئے کہ وہ شعیب کو پریشان حالی، مغموم۔ رنجور۔ گریباں چاک۔ اور اپنی گلیوں کے چکر لگاتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی اور یہ شعیب کے اصول کے بالکل خلاف تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ دنیا میرے آنسو دیکھے۔ در و دیوار میری بیقراریاں اور بیچینیاں دیکھیں لیکن طاہرہ کو میری بیتابیوں کا قطعاً علم نہ ہو۔ طاہرہ کو اُس کی خاموشی سے بھی از حد تکلیف ہوئی۔ اُس نے کچھ عرصہ کے بعد مجبوراً گئی مرتبہ

اپنے ملازم کو شعیب کے بلانے کے لئے بھیجا۔ لیکن شعیب نے کبھی اُس کا سامنا نہیں کیا۔ اور اُسے ہمیشہ ناکام واپس جانا پڑا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن شام کو شعیب اتفاق سے طاہرہ کے مکان ہی کی طرف سے گزرا کہ طاہرہ نے اُسے اپنے مکان سے دیکھ لیا اور فوراً اُسے بُلانے کے لئے اپنے چھوٹے بھائی جمیل کو بھیج دیا۔ شعیب اُس کے مکان سے کچھ دور جا چکا تھا لہذا جمیل بائیسکل پر سوار ہو کر اُس کے پاس پہنچا اور اُسے واپس چلنے پر مجبور کیا۔ شعیب نے جانے سے قطعاً انکار کر دیا اور ایک پرچہ پر یہ لکھ کر دیدیا کہ:۔

"میں اس وقت کالج جا رہا ہوں بدیں وجہ حاضری سے معذور ہوں اور آیندہ کے لئے بھی کوئی وعدہ نہیں کرتا اس لئے کہ:۔

"نہ در سینہ آتش نہ در دیدہ آب"

پرچہ ملنے کے بعد طاہرہ کو رنج ہوا ہو یا مسرت۔ اس کا علم نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ کئی ماہ گزرنے کے بعد ایک شب کو جبکہ شعیب سیر و تفریح کر کے مکان واپس جا رہا تھا۔ دفعتاً افضل کا سامنا ہو گیا اور وہ شعیب سے بلا سبب اُلجھ پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ طاہرہ کی یہ ایک طوائفانہ چال تھی جو افضل کو آلۂ کار بنا کر شعیب کو تکلیف پہنچانے اور اُسے ذلیل کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔ شعیب کے لئے یہ امر از حد تکلیف دہ تھا کہ وہ اپنی سیاہ کاریوں کو طشت از بام ہوتے دیکھے اور ہر شخص کی زبان سے اپنا اور طاہرہ کا افسانہ سُنے۔ طاہرہ نے اپنی داستانِ محبت سُنا سُنا کر افضل کے

دل میں جذبۂ رقابت پیدا کرا دیا تھا ورنہ افضل کو شعیب کے متعلق اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ وہ اُس کی موجودگی میں بھی بہت زمانہ تک برابر آیا گیا تھا۔ وہ فطرتاً کسی کی سخت کلامی اور غیر مہذبانہ گفتگو کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور نہ خود اس کا عادی تھا کہ کسی کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ چنانچہ وہ افضل کے اِس کمینہ پن اور اس کی دل آزارانہ باتوں سے سخت برہم ہوا اور اس کے تمام جسم میں غصّہ کی وجہ سے ایک کپکپی سی پیدا ہو گئی لیکن اُس نے اپنی شرافت کا خیال کیا اور نہایت صبر و تحمل سے کام لے کر افضل کی تمام غیر شریفانہ باتوں کا جواب مہذبانہ طریقے سے دیا محض اس لئے کہ اُسے اپنی عزت آبرو کا کافی احساس تھا۔ اور ایک بازاری عورت کے معاملات میں فساد کو بڑھانا کسی طرح اچھا نہیں سمجھتا تھا ورنہ اُسے مارنے اور مر جانے دونوں کے طریقے معلوم تھے۔ لیکن افضل میں یہ احساس قطعاً نہ تھا وہ نہایت کمینی فطرت کا انسان تھا اور اپنے سامنے کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اُس کے احباب نے بھی رنگ آمیزی کر کے اُس کے جنون شرافت و نجابت کو اچھی طرح چمکا دیا تھا اور وہ خود بھی اپنے کو نجیب الطرفین اور ایک عالی مرتبت شاہزادہ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتا تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس نے ایک قصائی کے خاندان میں جنم لیا تھا اور دو ایک پُشتیں گزر جانے کی وجہ سے وہ اچھا خاصا "شاہزادہ" بن گیا تھا۔ وہ ہمیشہ ماسٹروں اور شوقین مزاج یاروں کا تختۂ مشق بنا رہا اور اُس کا تعلیمی زمانہ بازار کے آوارہ گرد لونڈوں میں کھیل کود کر برباد ہوا۔

حالانکہ اُس کے باپ کی نہ معلوم کتنی جوتیاں اُس کی چندیا کی بدولت ٹوٹ گئیں لیکن اُس کی چندیا کبھی شرمندۂ ندامت نہیں ہوئی۔ اگر کسی کور فہم نے اُس کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تو اُس نے صاف یہ کہدیا کہ "باپ کی تادیب وتنبیہ اور زدوکوب سے کبھی تذلیل نہیں ہوتی"۔ لیکن فطرت کی یہ ستم ظریفی بھی قابل داد ہے کہ وہ باپ کے مرنے کے بعد کسی نہ کسی طرح محکمۂ جنگی میں جونیر انسپکٹر ہوگیا۔ اُس کی تنخواہ زیادہ نہ تھی لیکن وہ تھا انتہائی درجہ کا راشی۔ اور اس معاملۂ خاص میں وہ اپنے ماتحتوں سے نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ حکّام بالا کو اُس کی سختیوں اور اُس کی گالی گلوج کی برابر رپورٹیں پہنچا کرتی تھیں۔ لیکن وہ ہمیشہ چشم پوشی کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ وہ بھی برابر کے حصہ دار تھے بلکہ اُن کو احساس تھا اپنی بدنامی اور رسوائی کا۔ اور افضل کو چونکہ خود اپنی عزّت وآبرو کا پاس نہ تھا لہٰذا وہ اُن کو بے عزّت کرنے اور گالیاں دینے سے کبھی اجتناب نہیں کرتا تھا۔ علاوہ اسکے اُس کو نوکری کی بھی چنداں پرواہ نہ تھی اس لئے کہ اُس کی بیوی کی جائداد کافی تھی اور خود اُس کی جائداد کا کافی حصہ طاہرہ کی عشوہ طرازیوں کے نذر ہوچکا تھا۔ وہ بہت عرصہ سے طاہرہ کی محبت کے پُر فریب جال میں پھنسا ہوا تھا اور طاہرہ بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ افضل بدترین خصائل کا انسان ہے مصلحتاً اُسے اپنا دیوانہ ہی بنائے ہوئے تھی۔ طاہرہ کی آزادی افضل اور اُس کے احباب کے نزدیک بالکل مفقود ہوچکی تھی اور وہ لوگ اُس کی سخت نگہداشت کرتے تھے۔

بالخصوص شعیب کا اُس طرف سے گذرنا بھی اُن لوگوں کو مشکوک بنا دیتا تھا۔ لیکن طاہرہ ایسی چالاک عورت کے لئے اِس کی نگرانی بے سود تھی۔ وہ اس واقعہ کے گزرنے کے بعد بھی بارہا شعیب سے ملی اور اُس کے اِس خیال کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کی کہ اِس فساد میں اس کی کوئی تحریک یا کوئی مشورہ شامل نہیں ہے لیکن شعیب نے اُسے صحیح نہیں مانا تاہم طاہرہ کے مجبور کرنے اور یقین دلانے پر اُس نے اخلاقاً خاموشی اختیار کر لی اور پھر کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد طاہرہ کا ملازم پھر آیا اور کئی مرتبہ آیا۔ لیکن شعیب نے جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ آخر کار متعدد مرتبہ چکر لگانے کے بعد ملازم نے طاہرہ کی والدہ کا ایک پرچہ لا کر اُسے دیا جس میں لکھا تھا کہ :-

"عزیزی شعیب! میں نے شبراتی کو خود بھیجا تھا۔ مجھے تم سے نہایت ضروری باتیں کرنا ہیں لہٰذا تم شبراتی کے ساتھ ابھی میرے پاس چلے آؤ۔ طاہرہ کو تمہارے آنے کا علم بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ گھر میں موجود نہیں ہے"

"والدہ طاہرہ"

شعیب پرچہ دیکھنے کے بعد مجبور ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ طاہرہ کی والدہ کا احترام کرتا تھا اور خود طاہر کی والدہ بھی اس کا خیال کرتی تھیں اور کم از کم شعیب کے لئے وہ "تجبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی" کے مصداق نہ تھیں لہٰذا وہ ملازم کے ہمراہ ہی چلا گیا۔ طاہرہ کی والدہ

چونکہ نکاح کر چکی تھیں اور کسی کے سامنے نہیں ہوتی تھیں لہٰذا پس پردہ اُنھوں نے پہلے تو شعیب کی خاموشی اور بے اعتنائیوں کی شکایت کی اور اُس کے بعد افضل اور طاہرہ کی محبت کا افسانہ دُھرانا شروع کر دیا کہ:۔

"طاہرہ افضل کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے۔ وہ اُس کی محبت میں اندھی ہو رہی ہے اُسے کچھ نہیں سوجھائی دیتا ہے کہ افضل کیسا آدمی ہے۔ میں اُسے دنیا کا بدترین انسان سمجھتی ہوں اور یہ نہیں چاہتی کہ طاہرہ اُس کے ساتھ نکاح کرے۔ آہ! میرا گھر برباد ہو جائیگا اور اُس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں نے تم کو اسی لئے بلایا ہے کہ تم میری امداد کرو۔ اور اس تباہی سے بچاؤ۔ بولو کیا تم میرے کام نہیں آسکتے ہو۔ اور جو کچھ میں چاہتی ہوں وہ نہیں کر سکتے ہو"؟

شعیب طاہرہ کی والدہ کا یہ لکچر سُن کر متعجب ہوا اس لئے کہ اسی قسم کی باتیں وہ آج سے بہت پہلے افضل کے ایک دوست راشد سے بھی سُن چکا تھا جو افضل ہی کا دوسرا رُخ تھا۔ لیکن کسی قدر مہذب۔ سنجیدہ اور متین۔ تاہم اُس نے راشد کی باتوں کا کبھی یقین نہیں کیا تھا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ راشد باوجود دعوائے ہمہ دانی کے خود فریب میں مبتلا ہے اور درحقیقت یہی سمجھ رہا ہے کہ طاہرہ افضل سے بے انتہا محبت کرتی ہے حالانکہ یہ کھلا ہوا فریب تھا اور طاہرہ حقیقتاً افضل کی محبت کا جواب صرف اداکاری سے دے رہی تھی۔ چنانچہ شعیب کا ضمیر اس وقت بھی گواہی نہیں دیتا تھا

کہ وہ طاہرہ کی والدہ کی باتوں کو صحیح سمجھ لے۔ لہٰذا اُس نے کچھ غور کرنے کے بعد خود ہی سوال کیا کہ:-

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں"؟ اور میں کس صورت سے آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں"؟

"تم صرف طاہرہ کو اپنی طرف متوجہ کرلو اور میں جس وقت تمھیں بُلایا کروں۔ فوراً چلے آیا کرو"۔

"لیکن میں شاید کامیاب نہ ہوسکوں اس لئے کہ اُن کے دل میں میری طرف سے کسی قسم کا جذبہ باقی نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو میری فطرت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ میں اب اُن کو کسی خاص جذبے کے ماتحت دیکھوں"۔

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ تم مجھ سے زیادہ نہیں سمجھتے ہیں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ تمھاری ذراسی توجہ سے میرا کام بن جائے گا۔ اور اگر خود تمھارے دل میں کوئی جذبہ باقی نہیں ہے تو نہ سہی لیکن تم کو میرا کہنا ماننا پڑے گا۔ اس لئے کہ ماں کی التجا کبھی ٹھکرائی نہیں جاتی"۔

یہ سُن کر شعیب پر بجلی سی گر پڑی وہ گھبرا گیا اور اُسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے کوشش کی کہ کوئی جواب دے لیکن طاہرہ کی والدہ نے کہا۔

"طاہرہ آگئی ہیں۔ خبردار جانا نہیں بیٹھو اور اُن سے باتیں

کرو۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا اظہار نہ کرنا۔"

شعیب طاہرہ کا سامنا قطعاً نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ اپنے سکون میں اضطراب اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ طاہرہ سے اپنا دامن بچا کر چلا آنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ وہ فطرتاً سریع الحس اور وقتی جذبات سے بہت جلد اور بہت زیادہ مغلوب ہو جانے والی عورت ہے۔ وہ یقیناً دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکانے کی کوشش کرے گی۔ اور میرے سکون کو مٹانے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھے گی لیکن وہ مجبور تھا اور ایک سنگین بُت کی طرح خاموش بیٹھا ہوا تھا کہ طاہرہ نے قدم رکھا اور شعیب کو بیٹھا دیکھ کر متعجب ہوتے ہوئے کہا۔

"ہائیں۔ تم کیسے آئے شعیب"؟

شعیب نے طاہرہ کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور اپنے منتشر ہو جانے والے مجموعۂ حواس کو درست کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"ایک نئے فریب میں مبتلا ہو کر ——— جس کا مصلحتاً اظہار نہیں کر سکتا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو شعیب۔ فریب میں اور تم مبتلا ہو۔ یہ ناممکن ہے۔"

"اگر ناممکن ہوتا تو اس وقت میں تمھارے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔"

"خیر ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تم ہو کیسے۔؟ بظاہر صحت تو پہلے سے بہت اچھی ہے ہے لیکن روح کی بیقراریوں کا کیا عالم ہے"؟

"صحت کا اچھا ہونا ہی ثبوت ہے روح کے قرار کا لیکن آپکو میری بیقراریوں اور تندرستی وغیرہ سے کیا سروکار"؟

"تھا اور اب بھی ہے کاش تم کبھی اسے سمجھنے کی کوشش کرتے"

"یہ کیوں"؟

"اس لئے کہ میری بہت سی آرزوئیں تم سے وابستہ تھیں"

"اور اب وہ کسی دوسرے سے وابستہ ہو چکی ہیں"

"بیشک، اب میری تمنائیں - میری حسرتیں - میرے ارمان کسی دوسرے سے وابستہ ہو چکے ہیں اور میں اپنا شریک زندگی انتخاب کر چکی ہوں"

"میں تم کو قبل از وقت مبارک باد دیتا ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ایسا خوش قسمت ہے جسے تم نے انتخاب کیا ہے"؟

"خوش قسمت نہیں، بدقسمت ہے، اس لئے کہ میں اپنے سوا کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھ سکتی - اور یہی بات میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ وہ شادی شدہ ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنا گھر برباد کرنا چاہتا ہے"

"یہ تو کوئی تکلیف کی بات نہیں - بلکہ تم کو مسرور ہونا چاہیے کہ تم آیندہ ایسی تکالیف سے بالکل محفوظ ہو"

"یہ کیسے"؟

"طاہرہ! مجھے تمھارے ساتھ ہمدردی ہے بدیں وجہ نہایت صفائی

کے ساتھ عرض کروں گا کہ ایک غیر شادی شدہ مگر شریف انسان آج کسی جذبے سے مغلوب ہو کر تمھارے ساتھ نکاح کرلے اور محض تمھاری وجہ سے ایک دنیا کو اپنے خلاف بنا لے۔ اور اپنے والدین عزیز و اقارب سب کو چھوڑ دے۔ تو بھی کل یعنی چند روز یا چند سال گزرنے کے بعد جب اُس کو اپنی شرافت کا احساس پیدا ہوگا وہ یقیناً اپنے والدین کے پاؤں پر سر جُھکا دیگا۔ اور اُسے اپنے والدین کی مرضی کے موافق دوسری شادی کرنا پڑے گی۔ اُس وقت تمھیں از حد تکلیف ہوگی۔ اور یہ صدمہ تمھارے لئے یقیناً ناقابل برداشت ہوگا پھر اُس وقت کے آنے سے پہلے ہی تم کیوں نہ اس تکلیف کو برداشت کرلو۔ اور کیوں نہ ابھی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ۔ میں مسرور ہوں کہ تم نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے جو ازدواجی زندگی سے آشنا ہو چکا ہے اور تم نہایت اطمینان سے اُس کے ساتھ زندگی بسر کرسکتی ہو۔ اس لئے کہ وہ تمھارے بعد پھر کوئی جدید نکاح نہیں کرے گا۔ جس سے تم کو تکلیف پہنچے اور تمھاری زندگی تلخ ہو جائے میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ غیر شادی شدہ سے نکاح کرنے کے بعد تم کبھی اطمینان و سکون کے ساتھ زندگی نہیں بسر کرسکتیں۔۔ ہاں دنیا میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جن میں نہ غیرت ہوگی۔ نہ شرم و حیا۔ اور نہ اُن میں احساس شرافت ہوگا کہ وہ تمھارے الطاف و کرم پر کُشتوں کی طرح زندگی بسر کرنے سے کسی وقت بھی

اجتناب کریں۔

مثال کے طور پر تم اپنے فرضی والد ہی کو دیکھ لو۔جنھوں نے نمازیں پڑھ پڑھ کر اس مرکز سیاہ کاری کو مسجد تو بنا دیا ہے لیکن کیا تم اُن کی پیشانی کے داغِ سجود کو اچھی نظروں سے دیکھتی ہو۔کیا اس میں ریاکاری نہیں ہے۔کیا وہ صرف تمھارے الطاف وکرم پر کُتّوں کی طرح زندگی نہیں بسر کر سکتے ہیں۔کیا تم اُنھیں عزّت ووقعت کی نظروں سے دیکھتی ہو۔اور کیا دنیا بھی اُنھیں یا اُن کے زہد د اتّقا کو جس میں نہ معلوم کتنے جال، مکر وفریب۔پنہاں ہیں۔اچھی نظروں سے دیکھتی ہے۔بہر حال مجھے اس سے مطلب نہیں۔کہ اُن کا شمار ناکارہ افراد میں کیا جاتا ہے۔یا واقعتاً اُن کی ولایت کا سکّہ لوگوں کے قلوب پر بیٹھا ہوا ہے اور وہ باکار افراد میں سے ہیں۔میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ تم اپنی زندگی کے تاریک پہلو پر غور کرو اور اپنے مستقبل کو روشن بنانے کی کوشش کرو۔اب رہا تمھارا یہ کہنا کہ "مجھ سے تمھاری آرزوئیں وابستہ تھیں یا ہیں"۔ خدا معلوم کہاں تک صحیح ہے؟ اس لئے کہ نہ میں نے تم کو کبھی کوئی اُمید دلائی اور نہ کبھی اس مسئلہ پر کوئی گفتگو کی اور نہ آئندہ کرنا چاہتا ہاں۔اس لئے نہیں کہ تم سماج کی جھوٹی کی ہوئی تراب ہو۔سائٹی کی ٹھکرائی ہوئی جنس ہو۔سیاکاری کا مجسمہ اور حرص د ہوس کے کتّوں کا چبایا ہوا نوالا ہو۔اور میرے پہلو کی زینت

زینت نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اس لئے کہ میرے دل میں تمھاری طرف سے اب کسی قسم کا کوئی جذبہ باقی نہیں ہے اور بالفرض محال اگر ہو بھی تو میں شادی یقیناً کروں گا۔ اور یہ امر تمھارے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔ لہٰذا مجھ سے کسی قسم کی کوئی آرزو وابستہ کرنا گویا غلط فہمی میں مبتلا ہونا ہے۔"

طاہرہ شعیب کا لکچر سن کر کسی گہرے خیال میں غرق ہو گئی۔ اور نہ معلوم کب تک خاموش رہتی۔ اگر شعیب اپنی باتوں کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے گفتگو کا رُخ بدلنے کے لئے فوراً سوال نہ کر دیتا۔

"تو ہاں۔ بتاؤ طاہرہ۔ تمھارے نکاح کے نقل اور چھوارے اب کب تک کھانے میں آویں گے؟"

"بہت جلد۔ لیکن شعیب۔ مجھے قطعاً یہ اُمید نہیں تھی کہ تمھاری باتوں میں کبھی ایسی تلخی بھی ہوگی۔ جس کا اظہار کرنا کم از کم میرے لئے ناممکن ہوگا۔"

"حقیقت ہر شخص کو ناگوار گزرتی ہے لیکن طاہرہ دوست کی باتوں میں تلخی نہیں ہوتی۔ اگر نتیجہ پر غور کرنے کی زحمت کروگی تو یہی تلخی شیرینی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور خدانخواستہ اگر نتیجہ خوشگوار نہ نکلے تو معاف کرنا طاہرہ میں قبل از وقت یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں اس وقت بھی تمھاری باتوں کو خوبصورت فریب سمجھ رہا ہوں۔ اور اگر یہ فریب نہیں ہے تو کار خیر میں استخارہ کی

حاجت نہیں۔ میں گاڑھے کی ساری لاتا ہوں اُسے باندھو۔ اور اس حسن فروشی کی دکان کو بڑھا کر میرے ہمراہ چلو، میں تمہاری ہر ممکن خدمت کے لئے تیار ہوں۔"

"لیکن والدہ اور ......"

"اُن کے لئے تمہاری پیدا کی ہوئی دولت کافی ہے۔"

"لیکن شعیب، اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی جذبہ باقی نہیں ہے تو پھر میرے حال پر اس قدر مہربانی کیوں کی جا رہی ہے؟"

شعیب طاہرہ کے اس سوال سے گھبرا تو گیا لیکن اُس نے اعترافِ محبت یا اعترافِ شکست کرنے کے بجائے نہایت صفائی سے ذرا سختی کے ساتھ فوراً جواب دیا کہ۔

"یہ مہربانی نہیں ہے طاہرہ بلکہ جواب ہے فریب کا فریب سے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ ٹوٹا ہوا دل جوڑا نہیں جاتا۔ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ ٹھکرائی ہوئی محبت کبھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔"

یہ کہہ کر شعیب جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن طاہرہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر شیروانی کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے شعیب، کہ تم میری ہر بات کو فریب سمجھتے ہو حالانکہ میں نے تم کو کبھی دھوکا نہیں دیا۔ خیر جاتے تو ہو، لیکن یہ بتاتے جاؤ کہ اب آؤ گے کب؟"

"کبھی نہیں اِس لئے کہ میری غیرت اور میری خودداری اس کو ہرگز گوارہ نہیں کرتی کہ جہاں میرے لئے دروازہ بند کر دیا گیا ہو اور میں نہایت ذلت وخواری سے نکالا گیا ہوں وہاں پھر قدم رکھوں"
طاہرہ نے اپنی نمناک اور التجایانہ نظروں سے شعیب کو دیکھا اور گردن جھکاتے ہوئے کہا "شعیب!"

بُرے ہیں ہم تو پھر اچھا بُرے کہاں جائیں
بُروں سے بھی ہے مناسب نباہ کر لینا

شعیب متاثر ہو چکا تھا محض اس لئے کہ وہ طاہرہ کے آنسو کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور اُس کا سر اپنے شانہ پر رکھ کر کہنے لگا۔
"یہ آنکھیں رونے کے لئے نہیں ہیں طاہرہ بلکہ دوسروں کا رونا دیکھنے کے لئے ہیں"
"فریب میں نہ مبتلا ہو شعیب، یہ سچے موتی نہیں ہیں جھوٹے ہیں"۔
"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن اِس فریب سے نکلنا کون کمبخت چاہتا ہے؟ ہائے کس قدر پر لطف اور معنی خیز ہے یہ فریب جس کی داد سوا تمھاری والدہ کے کسی اور کو نہیں دی جا سکتی"۔
یہ سُن کر طاہرہ جھنجھلا گئی لیکن شعیب نے جلدی سے اُس کے لبوں پر اپنے لب رکھ دئے اور طاہرہ نے بھی اپنی نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر محض اِس خیال سے خاموشی اختیار کر لی کہ ؎ "بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر"۔

شعیب سمجھ چکا تھا کہ یہ صرف دھوکا ہے اور اُس کی والدہ کا مقصد اِس فریب سے اتنا ہے کہ دونوں میں کسی صورت سے صفائی ہو جائے۔ طاہرہ افضل سے قطعاً نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ افضل خود بہت کوشاں تھا کہ طاہرہ کسی طرح نکاح کر لے لیکن یہ جذبہ بھی طاہرہ ہی نے پیدا کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی بے چینیوں اور بیقراریوں کا اظہار کر کے افضل اور اُس کے دوستوں کو اِس قدر سخت غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ سب یقین کر چکے تھے کہ طاہرہ کسی نہ کسی دن افضل کے ساتھ ضرور نکاح کر لے گی لیکن حقیقت یہ تھی کہ طاہرہ افضل کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی اُس وقت تک کہ افضل کے جسم میں ایک قطرہ بھی خون کا چوسنے کے لئے باقی رہے۔ ان تمام باتوں کی تصدیق ہو جانے کے بعد شعیب دو دن تو مجبوراً طاہرہ کے پاس گیا اور تیسرے دن جب اُس کا ملازم پھر بُلانے آیا تو اُس نے جانے سے انکار کر دیا اور ایک پرچہ پر اُس کی والدہ کو یہ لکھ کر بھیجدیا۔

"نکاح ہونے کی قطعاً اُمید نہیں ہے لہذا اطمینان رکھیئے۔ فرصت نہیں ہے ورنہ خود حاضر ہوتا۔ پھر کسی دن بشرط فرصت حاضر ہوں گا"

اس کے بعد شعیب نے پھر خاموشی اختیار کر لی وہ طاہرہ کو بالکل بھول جانا چاہتا تھا لیکن طاہرہ نے کبھی اُسے سکون کے ساتھ نہیں بیٹھنے دیا اور ہمیشہ نیش زنی کرتی رہی تاکہ اُس کی یاد اُس کا خیال شعیب کے

دل سے مٹنے نہ پائے۔ اِس کا ملازم برابر چکر لگاتا رہا اس کے خطوط برابر آتے رہے جس کی وجہ سے شعیبؔ کو وقتاً فوقتاً جانا پڑا۔ اس لئے کہ وہ اِس بد اخلاقی کو فطرتاً نہیں برداشت کر سکتا تھا کہ دس دس مرتبہ ملازم آئے اور وہ ایک دفعہ بھی نہ جائے۔ علاوہ اِسں کے شعیبؔ کو طاہرہ کی دلنوازیوں کا ابھی تک احساس تھا بدیں وجہ اُسے اکثر جانا پڑتا تھا۔ لیکن طاہرہ سے یہ صاف الفاظ میں کہدیا کرتا تھا کہ "شکستہ آئینہ بیکار ہو جاتا ہے اور شاخ سے پھول ٹوٹ کر مرجھا جاتا ہے۔" مگر طاہرہ نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ شعیبؔ کے الفاظ میں صداقت کہاں تک ہے؟۔ وہ برابر اُسے ہموار کرنے کی کوشش کرتی رہی اور شعیبؔ ہمیشہ اُس سے گریز کرتا رہا۔

طوائف کبھی ایسی باتوں پر غور نہیں کرتی اور نہ اُسے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ وہ بیکار کی اُلجھنوں میں گرفتار ہو کر اپنا وقت ضایع کرے۔ وہ اگر دلچسپی لیتی ہے اور کسی کا خیال کرتی ہے تو وقتی جذبے کے ماتحت۔ "وہ گاہے آشنا اور گاہے ناآشنا" کی عامل ہوتی ہے، اُس وقت تک کہ خود اُس کا دل نہ بھر جائے یا اُس کی اغراض پوری نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ جو کچھ کر رہی تھی اُسے طوائف ہونے کی حیثیت سے یہی کرنا چاہیئے تھا۔

شعیبؔ گو اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں جاتا تھا بلکہ اخلاقاً جاتا تھا۔ لیکن یہ اخلاق درحقیقت تکلیف دہ تھا اِس لئے کہ طاہرہ کا سامنا ہونے کے بعد اس کے سکون میں اضطراب اور اُس کے جذبات میں ہیجان پیدا

ہوجاتا تھا جس کی وجہ سے اکثر اُس پر عشق کی بحرانی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ وہ اس مصیبت سے بچنا چاہتا تھا لیکن کوئی ایسی معقول تدبیر اُس کی سمجھ میں نہ آتی کہ طاہرہ بھی بغیر کسی برہمی کے خاموشی اختیار کرلیتی۔

چھ ماہ تک برابر یہ سلسلہ جاری رہا اور آخر کار شعیب نے ایک دن صورت حال پر کافی غور کیا تو اُس کی سمجھ میں یہ آیا کہ۔

"درحقیقت یہ میری ہی کمزوری ہے کہ سامنا ہونے کے بعد درد۔ سوز و گداز کا سودا کرلیتا ہوں اور اپنا سکون اپنی راحت اور اپنا آرام کھو بیٹھتا ہوں۔ اور یہ بھی میری ہی حماقت ہے کہ میں طاہرہ سے اس قسم کی اُمید کروں کہ وہ خاموش ہوجائیگی۔ وہ ہرگز نہیں خاموش ہوگی اور طوائفانہ اصول کے ماتحت ہمیشہ اپنے فریب میں مبتلا رکھے گی۔ ہاں اگر میں خود نہ جانا چاہوں تو دنیا کی کوئی قوت مجھے مجبور نہیں کرسکتی۔ نہ زبردستی مجھے کوئی لیجا سکتا ہے اور نہ خود ہی طاہرہ گھسیٹ کر کبھی لے جائیگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ میں خود کیوں نہ اس سلسلہ کو ختم کردوں۔ جبکہ مجھے اس کا بھی علم ہے کہ دنیا کی تمام خطرناک چیزوں میں سب سے زیادہ خطرناک چیز عورت ہے۔ دُنیا کے تمام گناہوں سے بچنا ممکن ہے تخت و تاج سے دست بردار ہونا سہل ہے۔ مال۔ دولت۔ ثروت حشمت کو ٹھکرا دینا آسان ہے لیکن عورت کی محبت بھری آنکھوں کی مقناطیسی کشش اور اُس کے نرم و نازک یاقوتی لبوں کی تقوی شکن دعوت رد کردینا مشکل اور بے انتہا مشکل ہے۔"

یہ خیال کر کے دوسرے دن شعیب نے طاہرہ کے تمام خطوط ایک بڑے لفافہ میں بند کئے اور ایک کاغذ پر یہ چند سطریں لکھ کر اُس کے پاس بھیجدیں ؂

رہنے دو تسلی تم اپنی دکھ جھیل چکے دل ٹوٹ گیا
اب ہاتھ ملے سے ہوتا ہے کیا جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا

"یہ لیجئے، سرکار بندہ، اور اپنے عشق کا پلندہ۔ میرے نزدیک آپ کے ان خطوط کی قدر و قیمت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے اور نہ آیندہ ہو سکتی ہے لہذا اسے "استعفائے محبت" سمجھئے اور یہ یقین کر لیجئے کہ۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ۔ اگر خود کوئی کسی کو سنگدل بنادے تو پھر دنیا کی کوئی قوت اُسے موم نہیں بنا سکتی۔ لہذا میں آیندہ بھی کسی فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا خواہ آپ اسے خلوص ہی کیوں نہ ثابت کریں ؂

جل گیا سب خرمنِ دل لٹ گئی ساری بہار
شعلۂ گلزارِ محبت طورِ سینا ہو گیا

خطوط کا پلندہ واپس ملنے اور شعیب کا خط پڑھنے کے بعد طاہرہ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ دو گرم گرم آنسو نکل کر خط پر گرے اور کاغذ میں جذب ہو گئے شاید اس خیال سے کہ شکار زد پر آنے کے بعد پھر نکل گیا۔ اب طاہرہ کا ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا اور اگر اُس میں کچھ تیر تھے بھی تو وہ زنگ خوردہ تھے جو شعیب کے دل و جگر کو زخمی نہیں بنا سکتے تھے لہذا طاہرہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی لیکن شعیب چونکہ فطرتاً بہت زیادہ چلبلی طبیعت رکھتا تھا۔ اُس سے

خاموش نہیں بیٹھا گیا۔ اور اُس نے کچھ دن بعد "چھٹر خوبان سے چلی جائے" کے بمصداق ایک مختصر تحریر بذریعہ ڈاک لکھ کر بھیجدی کہ :۔

"سنتی ہیں آپ !"

"یہ وہ مہینہ ہے جس میں حسینؑ اور ہمراہیان حسینؑ پر پانی بند کیا گیا تھا، اور وہ "میدان کربلا" میں شہید کر ڈالے گئے تھے۔ اور "شعیبِ آخر الزمان" کو کسی پیکرِ لطیف نے میدان عشق میں تڑپ تڑپ کر مر جانے کی دعوت دی تھی اُس وقت جبکہ اُسی "مرکزِ محبت" نے اپنے خانۂ عیش کا دروازہ اُس کے لئے بند کیا تھا جسے وہ بابِ محبت سمجھتا تھا۔ آہ۔ حسینؑ قتل کئے گئے۔ ۱۰ محرم کو، یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کے جرم میں اور اُس شہیدِ جور و جفا کے "قصرِ محبت" پر تیر چلائے گئے۔ ۱۵ محرم کو محبت کرنے کے جرم میں لیکن آپ کو یقین نہ آئے گا اگر میں یہ لکھدوں کہ ع

"اے جفاہائے تو خوشتر زوفائے دگراں"

"منقور" "گنہگار"

خط کے جواب میں کہلا بھیجا گیا تھا کہ "تو کافر ہے"، جس کے جواب میں شعیب نے کہلا بھیجا کہ "تو کافر ساز" ہے"۔

افضل جو خود کو بہت زیادہ چالاک سمجھتا تھا اُس کی تمام جائداد

آہستہ آہستہ طاہرہ کی دلچسپیوں کے نذر ہو چکی تھی اور اب طاہرہ کیلئے وہ مزید تفریح و تفنن کا باعث بھی نہیں رہا تھا پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ طاہرہ اِس کھیل کو ختم نہ کر دیتی۔ لیکن دفعتاً یہ کھیل ختم کر دینا طاہرہ کے امکان سے قطعاً بعید تھا اِس لئے کہ وہ افضل کی کمینگیوں اور اُس کے غنڈے پن سے اس طرح کانپا کرتی تھی جیسا کہ گائے قصائی سے یا بزدل موت سے۔ علاوہ اِس کے افضل سے طاہرہ کی ایسی کچھ اغراض بھی وابستہ تھیں لہذا اُس نے رفتہ رفتہ افضل سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی۔ آخر کار ایک دن وہ بھی آگیا کہ افضل کی گردن میں ہاتھ دیا گیا اور وہ نہایت "بیش قیمت" ذلتوں کے ساتھ "دست بدستے دگرے اور پا بدستے دگرے"۔ طاہرہ کے مکان سے نکالا گیا۔

اُس کی گردن میں ہاتھ دینے والا اور اُسے "مقتل آبرو" سے نکالنے والا اُس کا وہی دوست نما دشمن راشد تھا جو متموّل اور ناتجربہ کار افراد کو طاہرہ ایسی طوائفوں کے حسین جال میں پھنسا کر مسرور ہوتا تھا۔ وہ سانپ کے بچّوں کی پرورش کرتا تھا اور اپنے غیر مستحسن افعال کو انتہائی خلوص اور ہمدردی کے سانچہ میں ڈھال کر بام پر بیٹھنے والی مخلوق سے خراجِ تحسین وصول کرتا تھا اور اُسے باعث فخر اور باعثِ عزّت بھی سمجھتا تھا۔ اکثر خوش مذاق حضرات نے راشد کو "طوائفوں کا رزاق" کہکر اُس کا مضحکہ بھی اُڑایا تاکہ وہ ان ناگفتہ بہ افعال کو ترک کر دے لیکن راشد نے کبھی اِس پر غور نہیں کیا اور ہمیشہ اُسے اپنی عزّت افزائی سمجھا۔"

شعیب شریف الخیال ہونے کی وجہ سے راشد کی بزرگی اور اُس کی پیشانی کے داغ سجود کا احترام کرتا تھا۔ حالانکہ راشد نے اپنی فطرت کا ثبوت دینے سے کبھی اجتناب نہیں کیا اور وہ سب کچھ کیا جو یقیناً شرفا کا شیوہ نہیں ہے۔ وہ اِس کا بدترین مخالف تھا۔ اور طاہرہ کا پاسبان بھی۔ لیکن آج طاہرہ اور شعیب کے پوشیدہ حالات اور واقعات اور اُس کی آمد و رفت کا حال معلوم ہونیکے بعد کہ وہ کس قدر خوشگوار تھے یا ہیں۔ اب شعیب کے اُس جملہ کی اہمیت یقیناً اُس کی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ جب اُسے طفل مکتب کہا گیا تھا اور شعیب نے نہایت سلجھا ہوا لیکن دندان شکن جواب دیا تھا کہ:۔

"میں نے کبھی عقلمند ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ مجھے بیوقوف ہونے کا اعتراف ہے تاہم یہ ضرور عرض کروں گا کہ اکثر اوقات بیوقوف بھی دنیا میں اس قدر خوشگوار زندگی بسر کر جاتے ہیں کہ آپ ایسے "عقلمند اور ہمہ دانی" کے دعویٰ کرنے والوں کو کبھی نصیب نصیب بھی نہیں ہوتی۔"

یہ تھا وہ جملہ جسے سُن کر راشد کا بھاری بھرکم چہرہ جو بظاہر "زاہد" کے چہرے سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔ مُردے کے چہرے سے زیادہ بے رونق ہو گیا تھا۔

بہر حال شعیب کو تو اپنے بیوقوف ہونے کا اعتراف آج بھی ہے خواہ راشد کو خود اپنے طفلِ مکتب ہونے کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن شعیب کو چونکہ راشد کے ساتھ اب بھی ہمدردی ہے لہذا وہ اکثر کہہ دیا کرتا ہے کہ۔

"توبہ کیجئے اس وقت کے آنے سے پہلے کہ آپ پر درِ توبہ بند ہو"

شعلہ وارثی لکھنؤ

MC LIBRARY Nankana Sahib
Acc. NO: 00342NS
Date: 26-4-2022
Managed by Chughtai Public Library

مطبوعہ سلیم برقی پریس الہ آباد

MUNICIPAL LIBRARY
Na kala
Sahib.